ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی

جلد: ۳۵ شمارہ: ۱۲ ۲۵ تا ۳۱ / مارچ ۲۰۲۲ء — ۲۱ تا ۲۷ / شعبان ۱۴۴۳ھ

Year-35 Issue-12 25 - 31 March 2022 Page 16

سیاست میں جرائم کی آمیزش جمہوریت کیلئے

خطرناک

کیا سیاسی پارٹیاں توجہ دیں گی؟

سیاست اور جرائم آج تقریباً لازم وملزوم ہو چکے ہیں اور تمام سیاسی پارٹیاں محض اپنے مفاد کیلئے اس میں پیش پیش ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ صورتحال ملک کی جمہوریت کیلئے بے حد خطرناک ہے۔

محمد سالم جامعی

آج پوری دُنیا میں جمہوری قدروں کو جس طرح پامال کیا جارہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آج جس طرح جمہوریت کی تعریفوں کے پل باندھنے والے اور اس کی اچھائیاں اور خوبیاں بیان کرنے والے لیڈر جمہوریت کے نام پر باہمی بدزبانیوں اور ایک دوسری کی تذلیل وتحقیر کے لیے ہر آن مستعد اور تیار رہتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ یا تو ہم جمہوری اقدار سے واقف ہی نہیں ہیں اور یا پھر جان بوجھ کر ہم انھیں محض اپنی تسکین انا کے لیے پامال کررہے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آج ہمارا جمہوری نظام جو لوگ چلا رہے ہیں ان کے نزدیک سیاست اور جرائم میں کوئی فرق نہیں رہ گیا ہے۔ آج سیاست پوری طرح جرائم زدہ ہوچکی ہے اس کا مزید افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے جرائم زدہ ہونے پر کوئی افسوس وندامت بھی نہیں ہے۔ مزید افسوس یہ ہے کہ ہمارے حکمراں جرائم زدہ ہونے کے باوجود کسی کی طرف سے اس کے اظہار پر بھی چراغ پا ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ ابھی حال ہی میں گذشتہ ماہ سنگاپور کے وزیر اعظم مسٹر لی سین لونگ کا تبصرہ اور اس پر ہمارے حکمرانوں کا تیکھا ردّعمل اس کی ایک تازہ مثال ہے۔ مسٹر لی سین لونگ نے سنگاپور کی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے جمہوریت کے حوالہ سے آزادی کے لیے جنگ لڑنے والے سیاستدانوں کا ذکر کرتے ہوئے ملک کے اوّلین وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ انھوں نے آزادی کے بعد ہندستان میں ایک بہتر نظام قائم کیا تھا جو آج زوال پذیر ہے۔ (باقی ص۴ پر)

اندر پڑھئے

• اسلام کا صحیح تعارف پیش کیجئے ص۵ • جمہوریت میں تعلیم کی اہمیت اور مقاصد ص۸
• مولانا برکت اللہ کے بھوپال میں ماہ وسال ص۹ • خطبہ جمعہ میں صلاحیت وصالحیت کی ضرورت ص۱۰

عرب امارات اور ہندستان کے درمیان ایک تاریخی معاہدہ

انڈیا اور متحدہ عرب امارات (یو اے ای) کے باہمی تعلقات کو مضبوط بنانے اور دونوں ممالک کے درمیان تجارت کو سو ارب ڈالر سے آگے لے جانے کے لیے دونوں ممالک نے ایک تاریخی معاہدہ پر دستخط کیے ہیں۔ دونوں ممالک کے درمیان یہ جامع اقتصادی شراکت داری کا معاہدہ (سی ای پی اے) ہے۔ یہ کسی بھی عرب ملک کے ساتھ انڈیا کا پہلا سی اے پی اے معاہدہ ہے۔ سی اے پی اے معاہدے کے تحت اشیائے تجارت میں اضافے کے ساتھ ساتھ خدمات اور سرمایہ کاری میں اضافے پر بھی زور دیا گیا ہے۔ اس کے لیے محصولات (کسٹم اور امپورٹ ڈیوٹی) میں کمی کے علاوہ تجارت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ انڈیا اور متحدہ عرب امارات کے درمیان سی ای پی اے کا یہ معاہدہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس کے لیے دونوں ممالک نے بات چیت کا عمل بہت تیزی سے مکمل کیا ہے۔ اسے صرف ۸۸ دنوں میں مکمل کیا گیا ہے جو ایک ریکارڈ ہے۔ اب تک دنیا میں کسی بھی سی ای پی اے کو اتنے کم وقت میں انجام نہیں دیا گیا ہے۔

پانچ سال میں کاروبار ڈھائی گنا کرنے کا ھدف

متحدہ عرب امارات کے ساتھ انڈیا کے کاروبار کو نئی بلندیوں تک لے جانے کے لیے دفاع، توانائی، آب و ہوا اور ڈیجیٹل تجارت جیسے کئی شعبوں میں تعاون کو بڑھانے کے لیے معاہدہ کیا گیا ہے۔ اس موقع پر انڈیا کے وزیر اعظم نریندر مودی نے ابوظہبی کے ولی عہد شیخ محمد بن زائد النہیان کے ساتھ مشترکہ ورچوئل سمٹ میں شرکت کی۔ وزیر اعظم مودی نے کہا کہ مارکیٹ تک رسائی بڑھانے سے اگلے پانچ برسوں میں دونوں ممالک کے درمیان اشیا اور خدمات کے شعبے میں دوطرفہ تجارت سو ارب ڈالر تک پہنچنے کی امید ہے۔ اس طرح دونوں ممالک کے درمیان اس جامع اقتصادی شراکت داری کے معاہدے کی اہمیت یہ ہے کہ اگلے پانچ برسوں میں دونوں ممالک کے درمیان اشیا کی تجارت کو ڈھائی گنا اور خدمات کی تجارت کو دوگنا کرنے کا ہدف رکھا گیا ہے۔ اس وقت متحدہ عرب امارات انڈیا کا تیسرا سب سے بڑا تجارتی شراکت دار ہے اور انڈیا متحدہ عرب امارات کا دوسرا سب سے بڑا تجارتی شراکت دار ہے۔ انڈیا اس وقت آزاد تجارتی معاہدہ کرنے کے لیے برطانیہ، یورپی یونین، آسٹریلیا، کینیڈا، اسرائیل جیسے کئی دوسرے ممالک کے ساتھ بات چیت کر رہا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ متحدہ عرب امارات کے ساتھ اس معاہدے سے باقی معاہدوں کو تقویت ملے گی۔ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (ڈبلیو ٹی او) میں انڈیا کے سابق ایلچی جینت داس گپتا نے اس معاہدے کے حوالے سے ایک میڈیا تنظیم سے بات کی۔ انھوں نے کہا کہ خلیج تعاون کونسل کے ارکان یعنی جی سی سی بھی اسی طرح کا سی ای پی اے معاہدہ چاہتے ہیں، یو اے ای کے ساتھ اس معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد اس بات کا قوی امکان ہے کہ جی سی سی کے ساتھ بات چیت میں بھی تیزی آئے گی اور اسے مکمل کیا جائے گا۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو انڈیا کو خلیج کے تمام ممالک تک رسائی حاصل ہوجائے گی۔ انڈیا نے ہر سال ۲۰۰ ٹن تک سونے کی درآمد پر کم درآمدی ڈیوٹی لگانے پر اتفاق کیا ہے۔ انڈیا نے تاہم اس معاہدے کے نقصانات سے بچنے کے لیے کئی شعبوں کو اس معاہدے سے باہر رکھا گیا ہے۔ ایسے شعبوں میں ڈیری مصنوعات، پھل، سبزیاں، اناج، چائے، کافی، چینی، تمباکو، کوک، قدرتی ربڑ، ٹائر، جوتے، کھلونے، پلاسٹک، ایلمونیم اور تانبے کے اسکریپ، طبّی آلات، آٹو اور آٹو پارٹس شامل ہیں تاہم انھیں پیداوار سے متعلق اسکیم کے تحت فوائد دیئے جائیں گے۔

اس معاھدے کے اھم نکات

نئی تجارت، سرمایہ کاری اور انٹو ویٹو ڈائنامکس کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے اس معاہدے کے مشترکہ وژن اسٹیٹمنٹ نے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کے مستقبل کی سمت کا تعین کیا ہے۔

اقتصادی شراکت داری

اقتصادی شراکت داری کے تحت متحدہ عرب امارات کے جبل علی فری زون میں ایک انڈیا مارٹ قائم کیا جائے گا اور انڈیا میں متحدہ عرب امارات کی کمپنیوں کے لیے ایک سرمایہ کاری زون بنایا جائے گا۔ اس کے ساتھ مشترکہ فوڈ کوریڈور بنانے پر بھی اتفاق کیا گیا۔

متحدہ عرب امارات میں ابوظہبی لاجسٹکس اور خدمات، دوا سازی، طبّی آلات، زراعت، اسٹیل اور ایلوموینم جیسے شعبوں میں صنعتوں کے لیے جدید ٹیکنالوجی زون بنایا جائے گا، جس سے انڈین سرمایہ کاروں کے لیے سرمایہ کاری کے نئے مواقع پیدا ہوں گے۔

دفاع اور سلامتی کا شعبہ

بحری شعبے میں تعاون بڑھایا جائے گا۔ دفاعی شعبے میں تبادلے جاری رہیں گے، تجربات شیئر کیے جائیں گے، تربیت اور استعداد بڑھانے کی کوشش کی جائے گی۔ انتہا پسندی اور دہشت گردی کے ساتھ ساتھ سرحد پار دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے عزم کو علاقائی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر تسلیم کیا گیا ہے۔□□

سائق خاص کا اقامہ پانچ برس کیلئے تجدید ھوسکتا ھے؟

مملکت میں رہنے والے غیر ملکی ملازمین کے لیے لازمی ہے کہ اقامہ قوانین پر سختی سے عمل کریں۔ قانونی طور پر غیر ملکی کارکنوں کا اپنے اسپانسر کے علاوہ کسی دوسری جگہ کام کرنا خلاف ورزی ہے۔ اقامہ قوانین کے مطابق غیر ملکی کارکنوں کے اہل خانہ کو جو اقامہ جاری کیا جاتا ہے وہ صرف رہائشی ہوتا ہے اس اقامہ پر ملازمت نہیں کی جاسکتی۔ ملازمت کے قوانین کے تحت بنیادی طور پر دو طرح کے کارکن ہوتے ہیں جن میں انفرادی اسپانسر کی زیر کفالت اور دوسری قسم کمرشل ملازمین کی ہوتی ہے۔ انفرادی ملازمین میں گھریلو ڈرائیور، خادمہ، چوکیدار وغیرہ شامل ہیں جن کے اقاموں کا اجرا و تجدید سعودی محکمہ پاسپورٹ اینڈ امیگریشن کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ گھریلو ڈرائیور کے اقامہ کی مدت کے حوالے سے ایک شخص نے جوازات کے ٹوئٹر پر دریافت کیا کہ سائق خاص کا اقامہ پانچ برس کے لئے تجدید کرایا جاسکتا ہے؟ سوال کے جواب میں جوازات کا کہنا تھا کہ گھریلو ڈرائیور کا اقامہ دو برس تک کے لیے تجدید کرایا جاسکتا ہے۔ یہ اسپانسر کی مرضی پر منحصر ہے کہ اقامہ ایک برس کے لئے تجدید کرایا جائے یا دو برس کے لیے۔ واضح رہے گھریلو ڈرائیور، جسے عربی میں 'سائق خاص' کہتے ہیں، کا ورک پرمٹ نہیں ہوتا۔ ورک پرمٹ کا اجرا وزارت افرادی قوت کے ذریعے کیا جاتا ہے جبکہ گھریلو ڈرائیور انفرادی اسپانسر کی زیر کفالت ہوتے ہیں اس لیے ان کا اقامہ وزارت افرادی قوت سے منسلک نہیں ہوتا جس کی وجہ سے ان اسپانسرز کو ورک پرمٹ کی فیس ادا نہیں کرنا پڑتی۔ سائق خاص یعنی گھریلو ڈرائیور کی اقامہ فیس بھی کم ہوتی ہے جبکہ کمرشیل کارکن کی اقامہ اور ورک پرمٹ کی فیس کافی زیادہ ہوتی ہے اسی وجہ سے انہیں یہ سہولت دی گئی ہے کہ اقامہ دو برس کیلیے بھی تجدید کرایا جاسکتا ہے۔ وہ افراد جو قانونی طور پر خروج نہائی پر جاتے ہیں اور ان پر کسی قسم کی قانون شکنی ریکارڈ نہیں ہوتی وہ جب چاہیں دوسرے ورک ویزے پر مملکت آسکتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔

عرب دنیا میں مدرز ڈے منانے کے چھ منفرد طریقے

عرب دنیا کا مدرز ڈے قریب آرہا ہے اور اگر آپ کسی خاص دعوت کی تلاش میں ہیں تو اپنی بہت پیاری شخصیت کو منانے کے چھ منفرد طریقے یہ ہیں۔ عرب نیوز کے مطابق اس سالانہ ایونٹ کو بھرپور طریقے سے منانے کیلئے حسب ذیل منفرد اور خوبصورت انداز میں کچھ ذمہ داریوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

پورے خاندان کی ایک ساتھ ملاقات

اگر آپ کے بہن بھائی مختلف ممالک یا شہروں میں آباد ہیں تو اپنی ماں کو سلام کرنے کے لیے اپنی فیملی کے ساتھ زوم کال کا اہتمام کریں۔ آپ اپنی بہترین یادوں کی ایک مختصر ویڈیو بھی تیار کرسکتے ہیں۔

خوبصورت گلدستے سے پذیرائی

آپ اپنی والدہ کو خوبصورت پھولوں سے تیار کیا گیا حسین تحفہ دینے کے ساتھ اظہار محبت کر سکتے ہیں جس میں والدہ کی تعریف میں کوئی انتہائی یادگار تحریر بھی اس گلدستے پر آویزاں کی جاسکتی ہے۔

یادگاری لمحات کا تحفہ

اگر آپ کو یہ سمجھ نہیں آرہی کہ اس موقع پر کیا تحفہ دینا چاہیئے تو اپنے بچپن کی یادوں کے ساتھ والدہ کی دلآویز تصاویر کے ساتھ جذباتی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے ساتھ کچھ خاص تصاویر کو منفرد فریم میں پیش کرسکتے ہیں۔

پکنک پروگرام کا منصوبہ

پکنک کا منصوبہ ایک ساتھ معیاری وقت گزارنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ آپ اس خاص موقع پر گھر کے لان میں یا کسی قریبی پارک میں ماضی کی حسین یادوں کے ساتھ والدہ کو خوش کر سکتے ہیں۔

ماں کے مشاغل میں دلچسپی

آپ اپنی والدہ کا کوئی ایک خاص شوق جسے وہ انتہائی پسند کرتی رہی ہیں جیسا کہ کچن میں کوئی خاص مصروفیت، مٹی کے برتن بنانا، پینٹنگز کرنا یا اس کے علاوہ مل بیٹھ کر کوئی پسندیدہ فلم دیکھنا بھی ہوسکتا ہے۔

صحت کی دیکھ بھال

اس خاص موقع پر اپنی والدہ کی صحت کی خصوصی دیکھ بھال کے ساتھ علاج پر خاص توجہ دی جاسکتی ہے۔ انہیں کسی سیلون میں لے جاکر آرام دے مساج کے انتظام کرنے کے ساتھ ناخنوں کی دیکھ بھال اور پالشنگ کے علاوہ بالوں کو خوبصورت انداز سے سجاتے ہوئے ان کے بالوں کو پسندیدہ رنگ کیا جاسکتا ہے۔□□

دریچۂ پاکستان

اسد مرزا

پاکستان کی نئی قومی سلامتی پالیسی: نئے عہد و پیماں

کافی دھوم دھام کے بعد، پاکستان کی 'پہلی' قومی سلامتی پالیسی (این ایس پی) آخر کار منظر عام پر آگئی ہے۔ واضح رہے کہ گزشتہ ۷۵ سالوں سے یہ ملک قومی سلامتی کی پالیسی کے بغیر موجود تھا، پھر بھی بھارت کے ساتھ چار جنگوں، ۱۹۹۰ء کی دہائی میں جوہری تجربات، دہشت گردی کے خلاف جنگ اور ایسوسی ایٹ ڈبل گیمز کے نتیجے میں امریکہ کی جانب سے پابندیوں سے بچ گیا اور کئی معاشی خرابیاں و کوتاہیوں کے باوجود پاکستان ایک بحیثیت ایک ملک جو کہ اپنے آپ کو 'اسلامی' ملک کہلانا پسند کرتا ہے، ابھی بھی عالمی سیاست کی بساط پر موجود ہے۔ گو کہ اس نے اپنی اس ۷۵ سالہ تاریخ میں اپنی قومی سلامتی کے مطالبات کی بنا پر انسانی و عوامی وسائل کی فروغ اور ان کی ترقی پر زیادہ دھیان نہیں دیا ہے۔ تاہم ایسا لگتا ہے کہ عمران خان کی حکومت جو کہ ملک میں ایک صاف شفاف سیاسی نظام قائم کرنے کے لیے اپنی پابندی کا اظہار کرکے برسر اقتدار آئی تھی اس نے پہلی مرتبہ انسانی وسائل کی ترقی پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے قومی سلامتی کو مستحکم کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود جس طریقے سے انسانی وسائل کے بنیادی مسئلے اور عوامی ترقی کے وعدوں پر پالیسی میں مستقبل کے لیے حکمت عملی وضع کی گئی ہے اس پر نا صرف غیر ملکوں بلکہ پاکستان میں بھی پالیسی کی کافی نکتہ چینی کی گئی ہے۔

۶۲ صفحات پر مشتمل این ایس پی کا غیر درجہ بند حصہ یعنی Unclassified حصہ قومی سلامتی کے فریم ورک کی وضاحت کرتا ہے، اس کے نفاذ کے اصولوں کو بیان کرتا ہے، قومی ہم آہنگی کو تقویت دینے، ملک کے اقتصادی مستقبل کو محفوظ بنانے، اس کے دفاع، علاقائی سالمیت اور پاکستان داخلی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے پالیسی کو رہنما اصول دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ بدلتی ہوئی دنیا میں خارجہ پالیسی اور انسانی سلامتی کے لیے رہنما اصول دینے کی بھی کوشش کی گئی۔ بیان بازی میں بھیگی ہوئی، فقروں اور نافہم الفاظ سے بھرپور اس دستاویز پر اگر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو اس سے ظاہر ہوگا کہ جس طرح سے اسے تیار کیا گیا ہے، اس میں 'امن'، 'جیو اکنامکس' اور 'مکمل' جیسے ظاہری طور پر متوجہ کرنے والے دعوؤں اور پوشیدہ معانی اور حکومت کا نقطۂ نظر سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ پالیسی کا دعویٰ ہے کہ تمام اسٹیک ہولڈرز یا شراکت داروں کی اتفاقِ رائے کی نتیجہ یہ پالیسی ہے، لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ پاکستانی قومی سلامتی کے مشیر اور ان کا ڈویژن پارلیمنٹ کو 'تمام اسٹیک ہولڈرز' کے نظام کا حصہ نہیں مانتے۔ یہ نئی پالیسی گزشتہ ۷۵ سالوں میں پہلی بار تشکیل دی گئی ہے لیکن پارلیمنٹ کو یا سیاسی رہنماؤں کو اعتماد میں لیے بغیر۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ پہلی مرتبہ روایتی فوجی سلامتی کو انسانی فلاح و بہبود کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے اور اقتصادی سلامتی پر بنیادی توجہ مرکوز کی جارہی ہے، جس کا نتیجہ لازمی طور پر انسانی سلامتی کو پاکستان میں عمل پیرا کرنے اور ایسی تدابیر کو اپنانے پر متوجہ ہوگا جس سے کہ عوامی معاشی فلاح و بہبود کو یقینی بنایا جاسکے۔ پالیسی کی سب سے زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ ماضی کی تباہ کن فوجی مہم جوئیوں سے تنقیدی طور پر صحیح نتائج اخذ کیے بغیر قومی سلامتی کا ایک نیا تصور پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اس خستہ حال سیکیورٹی نظام کی ناکامیوں کا تجزیہ کرنے کے بجائے اور ان سے کچھ نئے سبق حاصل کرنے کے بجائے انھیں چھپانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ سوال پوچھنا ضروری ہوجاتا ہے کہ ''پہلی'' قومی سلامتی پالیسی کی دستاویز میں ایسا کیا نیا ہے، جس پر اپنی ستائشکی جارہی ہیں؟

پہلی مرتبہ یہ بڑی تاخیر سے تسلیم کیا جارہا ہے کہ 'معاشی تحفظ' کو یقینی بنائے بغیر ''روایتی تحفظ'' یعنی دفاع ممکن نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روایتی سیکورٹی کے بوجھ تلے ایک کمزور معیشت پاکستان میں پہلے ہی منہدم ہوچکی ہے۔ اور نتیجتاً روایتی فوجی سیکورٹی بھی بڑھتے ہوئے دباؤ میں آتی چلی جارہی ہے۔ شائع شدہ این ایس پی دستاویز صرف ایک تجریدی تجزیاتی اور منقطع فریم ورک فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن مجموعی طور پر یہ روایتی سلامتی اور انسانی سلامتی کے درمیان غیر واضح طور پر ایک لکیر کھینچنے سے گریزاں ہیں۔ مزید یہ کہ ایک بامعنی اور بنیادی تبدیلی کی شکلیں کیا ہونی چاہئیں؟ سادہ اور واضح الفاظ میں، انسانی سلامتی، ریاست کی سلامتی کے برعکس، لوگوں کے بنیادی حقوق کی بنیاد پر ان کے تحفظ کا مطالبہ کرتی ہے۔ لیکن کسی بھی قسم کی تبدیلی کی اس بنیادی خصوصیت کا ذکر اتفاقی اور سطحی طور پر ہی پالیسی میں کیا گیا ہے، اور وہ بھی دستاویز کے آخری باب میں۔ پانچ باب صرف روایتی سلامتی اور اس سے متعلق دیگر معاملات سے متعلق ہیں، ایک اور باب خارجہ پالیسی کا احاطہ کرتا ہے اور ایک باب اقتصادی سلامتی سے متعلق ہے لیکن جس چیز کو پالیسی کا بنیادی مرکز بنا کر پیش کیا جارہا ہے، اس پر زیادہ تفصیلی اور سنجیدہ بات چیت نہیں کی گئی ہے۔

دستاویز نے بلاشبہ پاکستان کی دفاع پر زور دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی دستاویز نے بھارت کے ساتھ روایتی ہتھیاروں میں بڑھتے ہوئے عدم توازن پر تشویش بھی ظاہر کی ہے۔ ساتھ ہی معیشت کی ترقی میں ازالہ ضروری شرائط کے طور پر تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر ایک منحصر اور کمزور معیشت کے تضادات اور مطالبات بنیادی ہیں تو پہلے انہیں درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے پھر منطقی طور پر روایتی سلامتی کے تمام پہلوؤں کو معاشی ضروریات کے تابع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جو کہ پرامن بقائے باہمی، باہمی طور پر فائدہ مند اقتصادی تعاون، اور طویل اور صبر آزما مذاکرات کے ذریعے ہی ''بنیادی مسائل کی بحالی اور ان کے ممکنہ حل کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ انتہائی پیچیدہ بنیادی مسائل کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ اختیار کرنے کے بجائے، اس کے لیے تمام پڑوسیوں کے ساتھ تنازعات کے پرامن حل، سرحدوں کے پار باہمی طور پر فائدہ مند تجارت اور سرمایہ کاری کو فروغ دینے اور اقتصادی باہمی انحصار کو مضبوط بنانے کے لیے اقتصادی ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جبکہ پاکستان ان میں سے کسی بھی موضوع پر سنجیدگی کے ساتھ عمل پیرا ہونے سے گریز کرتا ہے اور وہ ان تمام مسائل کا حل صرف جنگی ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش عملاً اور تصوراتی طور پر کرتا ہے۔ کیونکہ بنیادی طور پر پاکستانی دفاعی عملے کی نفسیات ہمیشہ سے بھارت مخالف رہی ہے اور وہ کبھی بھی کہیں بھی حالات کے پس منظر یا پیشِ نظر اپنی اس بنیادی سوچ سے علیحدگی اختیار کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ بھارت مخالف جذبات کو بھڑکا کر ہی وہ اپنے لیے عوامی حمایت کو یقینی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب جیو اکنامکس پورے خطے کے لیے اہم ہے، تو اسے ہر ایک مخالف کی مخالف جیو اسٹریٹجک ضروریات سے نہیں جوڑا جاسکتا۔ اس کا مطلب کسی بھی طرح پاکستان کی علاقائی سالمیت اور آزادی پر آنکھیں بند کرنا نہیں ہے۔ وسیع حفاظتی کاروباروں اور وسیع حفاظتی ایجنڈوں کی اجازت دینے کے بجائے اپنے دفاع کے لیے ایک سرمایہ کاری مؤثر طریقہ تلاش کیا جاسکتا ہے تاکہ اسے محدود ذرائع میں رکھا جاسکے۔ پاکستان تب ہی مضبوط ہوسکتا ہے جب اس کے عوام اور آنے والی نسلوں کی انسانی سلامتی اور آزادی محفوظ ہو۔ دستاویز اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ روایتی سلامتی کے تمام (باقی صـ۱۴ پر)

جواھر القرآن

سورۂ الاحزاب-۳۳ | ترجمہ آیات:۱۱-۱۲ | **حضرت شیخ الهندؒ**

○ وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑجھڑائے گئے زور کا جھڑجھڑانا (فا)

○ اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا۔ (ف۲)

فوائد: ——— **علامہ شبیر احمد عثمانیؒ**

فا حضرت حذیفہ کو آپ نے دشمن کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کا مفصل قصہ حدیث میں پڑھو تو اس جھڑجھڑانے کی کیفیت کا کچھ اندازہ ہو۔ یہاں ترجمہ کی گنجائش نہیں۔

ف۲ بعض منافقین کہنے لگے کہ پیغمبر صاحب کہتے تھے کہ میرا دین مشرق و مغرب میں پھیلے گا اور فارس، روم، صنعا کے محلات مجھ کو دیئے گئے ہیں، یہاں تو مسلمان قضائے حاجت کو بھی نہیں نکل سکتے۔ وہ وعدے کہاں ہیں؟ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: مسلمان کو چاہیے اب بھی ناامیدی کے قریب بے ایمانی کی باتیں نہ بولیں۔

انوارِ احادیث

• حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابوسفیان سے) ارشاد فرمایا: ابوسفیان تمھاری حالت پر افسوس ہے۔ میں تو تمھارے پاس دنیا و آخرت (کی بھلائی) لے کر آیا ہوں، تم اسلام قبول کرلو، سلامتی میں آ جاؤ گے۔ (طبرانی، مجمع الزوائد)

• حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جب) کوئی بندہ دل کے اخلاص کے ساتھ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کہتا ہے تو اس کلمہ کے لیے یقینی طور پر آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ کلمہ سیدھا عرش تک پہنچتا ہے۔ یعنی فوراً قبول ہوتا ہے بشرطیکہ وہ کلمہ کہنے والا کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو۔ (ترمذی)

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

دَل بدلی

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ملک میں جب بھی کسی صوبائی اسمبلی یا پارلیمنٹ کے انتخاب کا دور آتا ہے تو ہمارے سیاسی لیڈر اپنا مستقبل سنوارنے کے لیے پارٹی تبدیل کرنے لگتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جس سے کوئی بھی پارٹی اچھوتی نہیں ہے۔ ابھی حال کے پانچ صوبائی انتخابات میں یہ نظارہ بڑے اونچے پیمانہ پر دیکھا بھی جا چکا ہے۔ پارٹی تبدیل کرنا ہمارے لیڈروں کے لیے کپڑے تبدیل کرنے سے بھی آسان کام سمجھا جاتا ہے۔ ہر انتخاب سے پہلے ایسی خبریں گشت کرنے لگتی ہیں کہ فلاں لیڈر فلاں پارٹی کو الوداع کہہ کر فلاں پارٹی کا دامن تھامنے والا ہے۔ اب یہ کھیل اتنا عام ہو چکا ہے کہ عام لوگ بھی اب انتخاب آتے ہی لوگوں کے پارٹی بدلنے کی گھر بیٹھے ہی پیشین گوئیاں کرنے لگتے ہیں۔

دَل بدل کوئی نئی بات نہیں ہے، یہ ہماری سیاست کی ایک بہت پرانی بیماری ہے اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آج یہ ایک مستقل بیماری بن چکی ہے۔ دل بدل کا یہ سلسلہ سب سے پہلے کانگریس سے شروع ہوا۔ آزادی کے بعد کی پہلی دہائی میں ہی کانگریس کے بہت سے لیڈر جو خود کو سماجواد کے نظریہ کا حامل کہتے تھے، کانگریس سے علیحدہ ہوئے اور انھوں نے سماجوادی نظریہ کے نام پر سوشلسٹ پارٹی قائم کی اور ان میں سے جو لیڈر اسمبلی اور پارلیمنٹ میں کانگریس کے انتخابی نشان پر جیت کر اسمبلی اور پارلیمنٹ پہنچے تھے، وہ استعفیٰ دے کر ایوان سے باہر آ گئے۔ یہ ان کا سیاسی ایماندارانہ فیصلہ تھا اس لیے کہ انھوں نے جب اس پارٹی کو چھوڑا جس کے انتخابی نشان پر وہ کامیاب ہو کر ایوان میں پہنچے تھے تو اب انھیں اس ایوان کی رکنیت کا کوئی حق نہیں رہ گیا تھا اور اگر انھیں اسمبلی یا پارلیمنٹ میں جانا ہے تو انھیں دوبارہ عوام سے فتویٰ لینا چاہیے۔ آچاریہ نریندر دیو، جے پرکاش نارائن اور مدھو لیمائے اس گروہ کے لیڈر تھے۔ کانگریس چھوڑ کر ایوان سے باہر آنے والے لوگ دوبارہ انتخاب میں گئے اور حالانکہ ان میں سے بہت سے لوگ انتخاب ہار گئے، ان میں خود آچاریہ نریندر دیو اور جے پرکاش جی بھی شامل تھے، مگر انھوں نے سیاسی اصولوں سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ۱۹۸۰ء میں تو دل بدل کے اس کھیل نے اجتماعی شکل اختیار کر لی تھی جب ہریانہ میں وزیر اعلیٰ بھجن لال نے، جو جنتا پارٹی حکومت کے قائد تھے، اپنے پورے اسمبلی ارکان کو ہی جنتا پارٹی سے دل بدل کرا کر کانگریسی بنا دیا تھا اور پھر کانگریسی حکومت کے وزیر اعلیٰ بھی بن گئے تھے۔ اب یہی کھیل گذشتہ کئی سالوں سے بی جے پی کھیل رہی ہے۔ گوا، منی پور، تری پورہ اور مدھیہ پردیش اس کی مثال ہیں۔ اوّل الذکر تین ریاستوں میں ۲۰۱۷ء میں اور ابھی دو سال پہلے مدھیہ پردیش میں بی جے پی نے کانگریس کے ممبرانِ اسمبلی کو تھوک کے بھاؤ میں دل بدلی کرا کے نہ صرف اسمبلی میں اپنی اکثریت قائم کر لی بلکہ ان میں سے اکثر کو وزارتی کرسیاں عطا کر کے آئندہ کے لیے غلامی کی طلائی زنجیریں بھی پہنا دیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس حمام میں سب ہی پارٹیاں بے لباس ہیں مگر بی جے پی نے اقتدار کا فائدہ اُٹھا کر جس طرح صوبائی اقتدار پر قبضہ کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دراصل ہمارے لیڈروں نے سیاست کو ایک ایسی منڈی بنا دیا ہے جس میں ہر سیاستداں اپنی سہولت کی دُکان تلاش کرنے میں مصروف ہے۔ ابھی حال ہی میں وقوع پذیر ہونے والے پانچ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں پنجاب سے لے کر گوا تک دل بدل کا جو کھیل چلا ہے اس نے تو تمام سیاسی روایتوں اور اقدار کو ایک طرح سے پوری طرح پامال ہی کر کے رکھ دیا ہے۔ رات کو کانگریس کے بستر پر سونے والا جب صبح کو اُٹھتا ہے تو وہ بھگوا بستر پر نظر آتا ہے۔ کوئی رات کو بی جے پی میں سوتا ہے تو صبح ہی کانگریسی نظر آنے لگتا ہے۔ اتر پردیش کا حال اس سلسلہ میں کافی خراب رہا۔ خود برسر اقتدار بی جے پی کے ایک درجن ارکانِ اسمبلی سماجوادی پارٹی کا پٹہ ڈالے ہوئے نظر آئے، پھر اس کے جواب میں بھلا بی جے پی ہی کیوں خاموش رہتی، اس نے ایس پی خاندان کی بہو کو اپنے پالے میں لانے میں کامیابی حاصل کر کے ملائم خاندان کو شرمندہ کر دیا۔

ملک میں دل بدلی کے فروغ کے لیے جہاں ہمارے سیاستداں ذمہ دار ہیں وہیں عوام بھی اس کی ذمہ داری سے بچ نہیں سکتے اس لیے کہ جب کوئی شخص ایک پارٹی چھوڑ کر دوسری پارٹی میں جاتا ہے اور پھر وہ انتخاب میں حصہ لیتا ہے تو وہ اکثر و بیشتر کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ وجہ بھی ظاہر ہے، دل بدلی اکثر و بیشتر ہوا کا رُخ دیکھ کر کی جاتی ہے، وہ ایک پارٹی چھوڑ کر دوسری پارٹی میں جاتا ہی اس وقت ہے جب اسے دوسری پارٹی کی کامیابی نظر آنے لگتی ہے۔ ہار کی ہوا اگر نظر نہ بھی آئے بلکہ اس دل بدلی کی پشت پر اقتدار کی طاقت ہو تو بھی دل بدلی کے لیے حوصلہ مل جاتا ہے اور پھر وہ اقتدار کے سہارے عوامی تائید بھی حاصل کر لیتا ہے۔ گذشتہ دو سال پہلے مدھیہ پردیش میں جیوترادتیہ سندھیا اور ان کے ساتھ ڈیڑھ درجن کانگریسی ارکان اسمبلی کانگریس چھوڑ کر بی جے پی میں چلے گئے، انھیں قانون کی مجبوری سے استعفیٰ دینا پڑا۔ کانگریس حکومت اقلیت کا شکار ہو کر ختم ہو گئی، اعداد و شمار کے اُلٹ پھیر میں بی جے پی کو اقتدار مل گیا، پھر اس نے اپنے ٹکٹ پر ان دل بدلوؤں کو الیکشن لڑوایا جو اقتدار کا سہارا پا کر کامیاب ہو گئے اور آج ان میں سے کئی ایک وزارتی کرسیوں کا مزہ لے رہے ہیں۔ عوام اگر بیدار ہوتے اور ان دل بدلوؤں کو اپنے ووٹ کے ذریعہ دل بدلی کے جرم کی سزا دیتے تو انھیں بھی اپنی اوقات معلوم ہو جاتی۔

دل بدلی روکنے کی کوششوں کا سلسلہ بھی تقریباً اسی وقت سے جاری ہے جب سے دل بدلی کا یہ مرض پیدا ہوا ہے۔ پہلے اس کے لیے کمیٹیاں بنائی گئیں جنھوں نے اس سلسلے میں بہت سی تجاویز پیش کیں۔ ایک زمانہ میں دنیش گوسوامی کمیٹی کا بڑا شور ہوا تھا اس لیے کہ اس نے تجویز پیش کی تھی کہ دل بدل کرنے والے کو انتخاب کے لیے کم سے کم پانچ سال کے لیے نااہل قرار دیا جائے پھر ۱۹۸۵ء میں پہلا دل بدل قانون وجود میں آیا، اس وقت مسٹر راجیو گاندھی وزیر اعظم تھے، اس پر اپوزیشن پارٹیوں اور حکومت مخالف سیاسی مبصروں نے یہ شک ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا کہ راجیو گاندھی یہ قانون صرف اس لیے لائے ہیں تا کہ اپنی پارٹی کو انتشار سے بچا سکیں جبکہ عوامی سطح پر اس قانون کی خوب تعریف ہوئی تھی اور حالانکہ اس قانون میں جہاں انفرادی دل بدلی پر قدغن لگایا گیا تھا وہیں تھوک میں دل بدلی کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی تھی۔ اس طرح پارٹی ارکان کی ایک تہائی تعداد اگر دل بدلی کرتی ہے تو اس پر پھر اس قانون میں دل بدلی پر فیصلہ کا اختیار اسمبلی اور پارلیمنٹ کے اسپیکر کو دیا گیا ہے جبکہ وہ خود کسی نہ کسی پارٹی کی ہی اسمبلی اور پارلیمنٹ میں نمائندگی کرتا ہے اس لیے ظاہر ہے اس کے فیصلہ میں پارٹی سے وفاداری کا کسی نہ کسی صورت میں اثر ہونا ایک فطری بات ہوگی۔ اس قانون میں بعد میں بھی ترمیمات کی گئیں مگر پھر بھی یہ قانون بھی دل بدلی روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ آخر اس کا حل کیا ہے اور اس کی وجہ سے سیاست میں جو مفاد پرستانہ گندگی در آئی ہے، سیاست کو اس سے کیسے صاف کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے خیال میں اس کا واحد علاج صرف ووٹر ہی کر سکتا ہے اور ووٹروں میں بیداری لا کر ہی اس گندگی کو صاف کیا جا سکتا ہے۔ ووٹر اگر یہ بات ٹھان لے کہ وہ دل بدلو کو ووٹ نہیں دے گا تو خود ہی ایسے امیدوار کو اپنی اوقات معلوم ہو جائے گی۔ ہاں اگر واقعی اس نے اصول و اقدار کے تحفظ کے لیے کسی پارٹی کو چھوڑ کر دوسری پارٹی کا دامن تھاما ہے تو وہ اس سے مستثنیٰ رہنا چاہیے، البتہ اس کے لیے بھی یہ ضروری ہونا چاہیے کہ وہ کم سے کم ایک سال کے بعد کسی انتخاب میں حصہ لے تا کہ اس کی سیاسی ایمانداری اور اقدار و اصولوں کے تحفظ کے دعویٰ کی صحت عوام کے سامنے آ سکے۔ ایک دوسرا علاج یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص دل بدلی کر رہا ہے، اسے کم سے کم پانچ سالوں تک کوئی بھی انتخاب لڑنے کے لیے نااہل قرار دے دیا جائے اور نہ ہی اسے کسی فائدہ مند سرکاری عہدہ کا اہل سمجھا جائے، اس صورت میں بھی ممکن ہے دل بدلی کے اس رجحان پر قابو پانے میں مدد مل جائے۔

بہرحال اس بیماری کے خاتمہ کے لیے کہتے تو سب رہیں گے مگر عملاً کوئی سیاسی پارٹی کچھ نہیں کرے گی اس لیے اس کے لیے عدلیہ کی سرپرستی میں الیکشن کمیشن کو ہی آگے آنا ہوگا اور ایسے رہنما اصول وضع کرنے ہوں گے جو اس بیماری کے خاتمہ کے لیے مؤثر ہو سکیں۔ ❑❑

سیاست میں جرائم کی آمیزش جمہوریت کیلئے خطرناک

کیا سیاسی پارٹیاں توجہ دیں گی؟

صفحۂ اوّل کا بقیہ

انھوں نے میڈیا رپورٹوں کے حوالہ سے کہا کہ ہندستان کی موجودہ لوک سبھا کے تقریباً نصف ارکان کے خلاف بدکاریوں اور قتل کے مقدمات سمیت متعدد مجرمانہ معاملات زیرالتوا ہیں اور حالانکہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ان معاملات میں بہت سے معاملے سیاسی بدنیتی کی وجہ سے بھی ہوسکتے ہیں مگران کے اس بیان پر ہمارے ملک کے سیاستدانوں اور حکمرانوں نے سخت ردّعمل ظاہر کرتے ہوئے نئی دہلی میں متعین سنگاپور کے سفیر کو وزارتِ خارجہ میں طلب کرکے اس پر اپنا احتجاج درج کرایا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کسی ملک کے اندرونی معاملات میں کسی دوسرے ملک کو کوئی اختیار نہیں ہے مگر جرائم زدہ سیاست کا چلن ایک عام بیماری کی شکل اختیار کرچکا ہے اور دنیا کے ہر ملک میں دوسرے ملکوں کا اس حوالہ سے ذکر ہوتا رہتا ہے اس لیے ہمارا ردّعمل سفارتی سطح پر ٹھیک کہا جاسکتا ہے مگر ہمیں بھی تو بہرحال یہ سوچنا چاہیے کہ آخر ہمارے سیاستداں خود کہاں جارہے ہیں اور کہاں ملک کو لے جارہے ہیں۔ کیا واقعی ہماری جمہوری قدریں زوال پذیر نہیں ہیں۔ کیا ہماری پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں جرائم والے پس منظر کے لوگ موجود نہیں ہیں۔ ظاہر ہے جب سیاسی پارٹیاں صرف انتخاب جیتنے کی صلاحیت کے حامل لوگوں کو ہی ٹکٹ دیں گی جو آج کے دور میں صرف وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو یا تو دولت والے ہوں یا جرائم پیشہ مافیا لوگ تو اس کا نتیجہ یہی نکلے گا۔ ذرا اے ڈی آر کی رپورٹ کو ملاحظہ کرلیجیے اور صرف ۲۰۱۴ء سے اب تک کا جائزہ لے لیجئے، یہ اس پارٹی کا دورِ اقتدار ہے جو اپنے آپ کو ایک علیحدہ قسم کی پارٹی ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔

اے ڈی آر کی رپورٹ بتارہی ہے کہ موجودہ لوک سبھا میں ۲۳۳/ارکان ایسے ہیں جن کے خلاف مجرمانہ معاملات درج ہیں۔ رپورٹ میں ۵۳۹/ارکان کی دستاویزات کی تحقیقات کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا ہے۔ امیدواری کے کاغذات داخل کرتے وقت یہ بتانا پڑتا ہے کہ امیدوار کے خلاف کیا کوئی مجرمانہ مقدمہ چل رہا ہے یا زیرالتوا ہے۔ اگر ہے تو اس کی تفصیل پیش کرنی پڑتی ہے۔ اے ڈی آر نے امیدواروں کے کاغذات کی جانچ کرکے اس کی بنیاد پر اپنی رپورٹ تیار کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ۲۰۱۴ء کے مقابلے میں ۲۰۱۹ء میں ایسے ارکان کی تعداد میں ۲۶ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ مجرمانہ بیک گراؤنڈ کے ارکان میں بی جے پی کے ۱۱۶، کانگریس کے ۲۹، جنتا دل یو کے ۱۳، ڈی ایم کے کے ۱۰، اور ترنمول کانگریس کے نو ارکان ہیں۔ ۲۹ فیصد ارکان کے خلاف عصمت دری، قتل، قتل عمد اور خواتین کے خلاف جرائم کے معاملات درج ہیں یا زیرالتوا ہیں۔ ۲۰۰۹ء کے مقابلے میں ۲۰۱۹ء میں سنگین الزامات والے ارکان میں ۱۰۹ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ بی جے پی کے پانچ، بی ایس پی کے دو، کانگریس، این سی پی، وائی ایس آر کانگریس کے ایک ایک اور ایک آزاد رکن کے خلاف قتل کے مقدمات ہیں جبکہ ۲۹ کے خلاف ہیٹ اسپیچ کے الزام کے تحت کیس درج ہیں۔ یہ اعداد وشمار کسی ایک پارٹی سے متعلق ارکان کے نہیں ہیں بلکہ اس حمام میں تو ہر پارٹی ننگی ہی نظر آئے گی۔

اے ڈی آر نے امیدواروں کے کاغذات کی جانچ کر کے اس کی بنیاد پر اپنی رپورٹ تیار کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ۲۰۱۴ء کے مقابلے میں ۲۰۱۹ء میں ایسے ارکان کی تعداد میں ۲۶ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ مجرمانہ بیک گراؤنڈ کے ارکان میں بی جے پی کے ۱۱۶، کانگریس کے ۲۹، جنتا دل یو کے ۱۳، ڈی ایم کے کے ۱۰، اور ترنمول کانگریس کے نو ارکان ہیں۔ ۲۹ فیصد ارکان کے خلاف عصمت دری، قتل، قتل عمد اور خواتین کے خلاف جرائم کے معاملات درج ہیں یا زیر التوا ہیں۔ ۲۰۰۹ء کے مقابلے میں ۲۰۱۹ء میں سنگین الزامات والے ارکان میں ۱۰۹ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔

اب ذرا موجودہ اسمبلی انتخابات کے امیدواروں پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ پہلے مرحلے میں کل ۶۱۵ امیدوار تھے اور ان میں سے ۲۵ فیصد یعنی ۱۵۶ کے خلاف مجرمانہ معاملات درج ہیں۔ دوسرے مرحلے میں ۵۸۴/امیدواروں میں سے ۱۴۷ یعنی ۲۵ فیصد کے خلاف، تیسرے مرحلے میں ۶۲۳ میں سے ۱۳۵ یعنی ۲۲ فیصد کے خلاف، چوتھے مرحلے میں ۶۲۱ میں سے ۱۲۹ یعنی ۲۱ فیصد کے خلاف اور پانچویں مرحلے میں ۶۸۵ میں سے ۱۸۵ یعنی ۲۷ فیصد کے خلاف مجرمانہ معاملات درج ہیں، جن میں قتل اور عصمت دری جیسے مقدمات بھی شامل ہیں، جبکہ چھٹے اور ساتویں مرحلے میں علی الترتیب ۲۷، اور ۲۸ فیصد مجرمانہ ریکارڈ کے حامل ہیں جن میں سے علی الترتیب ۲۲، اور ۲۳ فیصد امیدواروں کے خلاف مجرمانہ معاملات ہیں جن میں قتل اور عصمت دری کے مقدمات بھی شامل ہیں۔

ہمارے خیال میں ہندستانی سیاسی نظام کی پاکیزگی اور صفائی پر خطرہ مسلسل بڑھتا جارہا ہے۔ بیشک کبھی عام زندگی میں بے داغ لوگوں کی وکالت کی جاتی تھی لیکن اب یہ عام تصور ہے کہ سیاستداں اور مجرم ایک دوسرے کے مترادف ہوچکے ہیں۔ 'ایسوسی ایشن فار ڈیموکریٹک ریفارم' یعنی اے ڈی آر کی رپورٹ بھی اس کی تصدیق کررہی ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ہر ایک سیاسی پارٹی سیاست کے مجرمانہ ہوجانے پر اظہارِ افسوس کرتی ہے اور اسے روکنے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن الیکشن کے موقع پر ٹکٹ تقسیم کرنے کا جب وقت آتا ہے تو داغی شبیہ والے امیدواروں پر ہی اعتماد کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انتخاب کے بعد ایسے ممبرانِ پارلیمنٹ اور ممبران اسمبلی کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے، جن پر مجرمانہ معاملے چل رہے ہوتے ہیں۔ اترپردیش میں ہی ۲۰۱۷ء کے اسمبلی انتخابات میں کامیاب ہوکر آئے ۴۰۳ ممبرانِ اسمبلی میں سے ۱۴۳ (۳۶ فیصد) نے اپنے انتخابی حلف نامہ میں اپنے اوپر مجرمانہ مقدمات کی بات کہی تھی جبکہ اہم مجرمانہ معاملوں کا سامنا کرنے والے ممبرانِ اسمبلی کی تعداد ۱۰۷ تھی جو اسمبلی کے ممبران کا ۲۶ فیصد بنتا ہے۔ اسی طرح ۲۰۱۲ء کی صوبائی اسمبلی میں اعداد وشمار بالترتیب ۴۷ فیصد (۱۸۹) ممبرانِ اسمبلی داغدار شبیہ والے) اور ۲۴ فیصد (۹۸ ممبرانِ اسمبلی اہم معاملوں میں ملزم) تھے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ قانون ساز اداروں میں داغدار اور جرائم پیشہ ارکان کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے جو ہماری آزادی اور جمہوریت کے لیے زبردست خطرہ ہے، جس پر تمام سیاسی پارٹیوں کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے اور ماہرین قانون اور الیکشن کمیشن کو ساتھ لے کر کوئی ایسی راہ نکالنی چاہیے جو سیاست کو جرائم سے پاک کرسکے۔

چونکہ ہر انتخاب کے بعد مجرمانہ شبیہ والے امیدواروں کی کامیابی کے گراف میں اضافہ ہورہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی پارٹیاں بھی یہ تسلیم کرچکی ہیں کہ جرائم پیشہ لوگ ہی جیت کی گارنٹی ہیں اور چونکہ انتخابات میں ہر حال میں جیت حاصل کرنا ہی تمام سیاسی پارٹیوں کا مقصد ہوتا ہے اس لیے وہ اس کے لیے ہر وہ طریقہ اپنانے کو تیار رہتے ہیں جس سے ان کی موجودگی ایوان میں زیادہ سے زیادہ ہوسکے۔

کچھ عوامی نمائندے یہ دلیل دیتے ہیں کہ سیاست سے متاثر ہوکر مقدمات ان پر بلاوجہ مسلط کیے گئے ہیں، یہ کچھ حد تک درست بھی ہے مگر انتخابی کمیشن اور عدلیہ دونوں کا ماننا ہے کہ جن امیدواروں کے خلاف مجرمانہ معاملے درج ہیں ان کو تو انتخابات لڑنے سے روکا جانا چاہیے۔ الیکشن کمیشن نے تو اس کے لیے پیمانے بھی بنائے ہیں۔ مقدمہ اگر سال بھر سے زیادہ پرانا ہے، امیدوار پر پانچ سال یا اس سے زیادہ کی سزا والے جرم کا الزام ہو، نچلی عدالت میں چارج شیٹ پیش کردی گئی ہو اور کورٹ نے اسے منظور کرلیا ہو، کمیشن کا ماننا ہے کہ اس طرح کے امیدواروں کو انتخابات میں ٹکٹ نہیں ملنا چاہیے مگر مشکل یہ ہے کہ سیاسی پارٹیاں ابھی تک ان سفارشوں کو عمل میں لانے کے لیے تیار نظر نہیں آرہی ہیں۔

داغدار شبیہ والے لوگ ایک اور دلیل بھی دیتے کہ کسی عدالت سے جب تک جرم ثابت نہ ہوجائے وہ بے گناہ ہیں مگر یہاں سوال یہ ہے کہ ہندستان کی جیلوں میں چار سے سوا چار لاکھ قیدی بند ہیں جن میں سے ۲،۷۱ لاکھ کے قریب زیرسماعت ہیں، عدالت میں ان پر معاملے چل رہے ہیں اور وہ ابھی تک مجرم ثابت نہیں ہوئے ہیں یعنی بے گناہ ہیں، اس طرح ایسے بے گناہ لوگوں کو ہم نے زندگی بسر کرنے اور کاروبار کی آزادی، آزادی سے گھومنے پھرنے کا حق، باعزت زندگی گزارنے کا حق جیسے اہم حقوق سے محروم کررکھا ہے ان کا کیا ہوگا۔ جب قانونی دائرے میں ان ۲،۷۱ لاکھ زیرسماعت قیدیوں کے کئی حقوق چھین لیے گئے ہیں تو داغدار امیدواروں کو کچھ دنوں تک انتخاب لڑنے سے روک دینے میں آخر کونسی رکاوٹ ہے۔ ویسے بھی انتخاب لڑنا کوئی بنیادی حق نہیں ہے۔ اگر ہم ان کو بقول ان کے بے گناہ ہونے کی بنیاد پر انتخاب لڑنے کی چھوٹ دے سکتے ہیں تو اسی دلیل پر زیرسماعت قیدیوں کو رہا کیوں نہیں کرسکتے۔ ان سے ان کا بنیادی حق ہم کیوں چھین رہے ہیں۔

ہر سیاسی پارٹی سیاست کے مجرمانہ ہوجانے پر اظہارِ افسوس کرتی ہے اور اسے روکنے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن الیکشن کے موقع پر ٹکٹ تقسیم کرنے کا جب وقت آتا ہے تو داغی شبیہ والے امیدواروں پر ہی اعتماد کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انتخاب کے بعد ایسے ممبرانِ پارلیمنٹ اور ممبران اسمبلی کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے، جن پر مجرمانہ معاملے چل رہے ہوتے ہیں۔ اترپردیش میں ہی ۲۰۱۷ء کے اسمبلی انتخابات میں کامیاب ہوکر آئے ۴۰۳ ممبرانِ اسمبلی میں سے ۱۴۳ (۳۶ فیصد) نے اپنے انتخابی حلف نامہ میں اپنے اوپر مجرمانہ مقدمات کی بات کہی تھی۔

سیاست میں جرائم کے داخلہ کو روکنے کا ایک طریقہ نوٹا (موجودہ میں سے کوئی نہیں) بھی ہے۔ یہ ہندوستانی ووٹروں کو ملا ایسا اختیار ہے جس کے ذریعہ وہ داغدار شبیہ والے امیدواروں کو آئینہ دکھا سکتے ہیں اور جہاں انتخاب میں نوٹا کے لیے زیادہ ووٹ آئیں تو انتخاب رد کرکے وہاں دوبارہ انتخاب کرانے چاہئیں۔ اس سے سیاسی پارٹیوں کو بھی یہ احساس ہوگا کہ وہ انتخابی جنگ میں جن امیدواروں پر داؤ لگارہے ہیں، ووٹر ان کو پسند نہیں کرتے۔ اس سے وہ داغدار امیدواروں سے دوری بناسکتے ہیں۔ نوٹا کے دائرے میں ہی 'منع کرنے کا حق' لایا جانا چاہیے۔ ظاہر ہے اس کے لیے عوامی بیداری کی سخت ضرورت ہے۔

بہرحال یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ قانون ساز اداروں میں داغدار اور جرائم پیشہ ارکان کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے جو ہماری آزادی اور جمہوریت کے لیے زبردست خطرہ ہے، جس پر تمام سیاسی پارٹیوں کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے اور ماہرین قانون اور الیکشن کمیشن کو ساتھ لے کر کوئی ایسی راہ نکالنی چاہیے جو سیاست کو جرائم سے پاک کرسکے۔ □□

میزان
منصور اسلامی

اسلام کا صحیح تعارف پیش کیجیے

اسلام پوری انسانیت کا مذہب ہے۔ اسلام کا پیغام عالمگیر ہے، اس کی تعلیم آفاقی ہے۔ مگر یہ محسوس کرکے دل بہت کڑھتا ہے کہ اس کا تعارف کبھی صحیح طور پر نہیں کرایا گیا، عوام کے کانوں تک اس کی امتیازی خصوصیات اور تعلیم کبھی نہیں پہنچائی گئی۔

آزادی کے بعد دستورِ ہند نے تبلیغ مذہب کی جو آزادی عطا کی اس ملک کے مسلمانوں نے کبھی اس کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ آزادی کے بعد موقع آیا تھا کہ اسلام کے داعی اور مبلغین ہندوستان کے طول وعرض میں اسلام کے تعارف کو اپنا مشن بنا لیتے اور ہندوستان کے لوگوں کو بتاتے کہ جس اسلام کو عیسائی مشنریوں اوران کی اتباع میں آریہ سماجیوں نے مسخ کرکے پیش کیا تھا وہ سرے سے اسلام ہی نہیں ہے بلکہ دشمنانِ اسلام کی اختراع اوران کے دماغ کی دستکاری ہے۔

اسلام تو وہ ہے کہ اگر اہل وطن اس حقیقت سے آشنا ہو جائیں اور مسلمانوں کا عمل اس کی صداقت پر گواہی دے، تو وہ خود محسوس کرلیں گے کہ اگر اسلام ہمارے ملک میں نہ رہا تو یہ قوم، ملک اور انسانیت کے لیے بہت بڑا خسارہ ہوگا۔

ہندوستان میں جو جماعتیں اسلام کے نام پر قائم ہیں یا جو اسلامی اور عربی مدرسے اور تعلیم گاہیں اسلام کے تحفظ کا دم بھرتی ہیں، وہ پہلے اپنا تعارف کراتی ہیں، ہر جماعت اپنا تحفظ چاہتی ہے، جہاں کسی جماعت اور اس کے کلیدی عہدیداروں پر کوئی الزام آیا اسے دور کرنے کے لیے تمام وسائل وقف کردیئے جاتے ہیں مگر جس اسلام کی خاطر وہ ادارہ قائم کیا جاتا ہے اسے یا تو بالکل بھلا دیا جاتا ہے یا اسے ثانوی حیثیت دے دی جاتی ہے۔ ان جماعتوں نے غیر مسلموں کو کس حد تک اسلام سے روشناس کیا اور مشنریوں کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کو کہاں تک دور کیا، اس کا جواب اگر صفر میں دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

دن میں پانچ بار مساجد سے اذان کی صدا بلند ہوتی ہے جو غیر مسلموں کے کانوں میں بھی پڑتی ہے۔ کیا کسی نے اس بات کی کوشش کی کہ غیر مسلم بھی اذان کا مفہوم اور مطلب سمجھ لیں اور اس کی اہمیت وعظمت کے قائل ہو جائیں۔ بابائے صحافت مولانا محمد عثمان فارقلیط نے اپنی زندگی کا ایک نہایت عبرتناک واقعہ یوں پیش کیا ہے:

ایک قصبہ میں مسجد کے سامنے ہی راجپوتوں کے مکانات ہیں اور وہ پانچوں وقت اذان کی صدا سنتے ہیں، ایک روز ایک معزز راجپوت اپنے دروازہ کے سامنے چارپائی پر بیٹھے حقہ گڑ گڑا رہے تھے۔ راقم کو انہوں نے اپنے پاس بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد انہوں نے ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ اتفاق سے عصر کا وقت آیا اور سامنے کی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ راقم نے معزز راجپوت سے پوچھا کہ آپ روزانہ پانچ وقت اذان سنتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اذان میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ وہ بولے ناجی نا، ہم روزانہ آواز سنتے ہیں مگر اس کا مطلب ہم نے آج تک نہیں سمجھا۔ راقم نے اللہ اکبر سے لے کر آخر تک تمام الفاظ کا مطلب سمجھایا تو وہ سن کر حیران رہ گئے۔ وہ پوچھنے لگے کیا خود مسلمان بھی اذان کا مطلب سمجھتے ہیں؟ یہ سن کر راقم شرم کے مارے پانی پانی ہوگیا۔

کیا اسی کا نام تعارف ہے کہ غیر مسلم بھائی اذان سنتے سنتے بوڑھے ہو جائیں مگر اس کے مفہوم سے ناآشنا رہیں؟ ہم نے کب صحیح اسلام غیر مسلموں کے سامنے پیش کیا؟ کب انہیں بتایا کہ اسلام میں تعصب، تنگ نظری اور فرقہ پرستی کے لیے کوئی گنجائش نہیں؟ انہیں کب سمجھایا کہ اسلام فساد اور نفرت وعداوت کا کتنا بڑا دشمن اور امن، شانتی، انسانیت اور محبت کا کتنا بڑا علمبردار ہے؟ انہیں کب بتایا کہ اسلام نے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی کس قدر تاکید کی ہے؟ اور جنگ و قتال اور قتلِ انسانی کی کس قدر مذمت کی ہے؟ اور اسلام کا قانون جنگ بھی انسانوں کے لیے عذاب نہیں بلکہ خدا کی بہت بڑی رحمت ہے۔ اس کا قانونِ امن کس حد تک انسانیت کا احترام کرتا ہے اور روئے زمین کو فتنہ وفساد اور دہشت گردی سے بچانے کا ذریعہ ہے اور دوسروں کو امن وسلامتی کی طرف بلاتا ہے؟ غیر مسلموں کو اس حقیقت سے آشنا کرانے کی ضرورت ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں پر کیا کیا احسانات کیے ہیں؟ نا مساوات اور نسلی غرور کے بتوں کو کس طرح توڑا ہے؟ اسلام کا پرسنل لاء کیا ہے؟ اس نے زنا، شراب، قمار بازی پر کیسی ضربیں لگائی ہیں اور حلال وحرام کے حدود میں کیسا توازن قائم کیا ہے؟ اس کے بنیادی پیغام کیا ہیں؟ اس نے ہندوستان کو کیا دیا اور دنیا کو کن نعمتوں سے نوازا؟

یہاں مقصد اسلامی تعلیمات کی تفصیلات میں جانا نہیں ہے، صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ آج ہم غیر مسلموں میں اسلام کا صحیح تعارف پیش نہیں کررہے ہیں جس سے اسلام بلکہ پورے ملک و انسانیت کو بے پناہ نقصان پہنچا ہے۔ ▢▢

> **غیر مسلموں کو اس حقیقت سے آشنا کرانے کی ضرورت ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں پر کیا کیا احسانات کیے ہیں؟ نا مساوات اور نسلی غرور کے بتوں کو کس طرح توڑا ہے؟ اس نے زنا، شراب، قمار بازی پر کیسی ضربیں لگائی ہیں اور حلال وحرام کے حدود میں کیسا توازن قائم کیا ہے؟**

دریچے
م۔س۔ج۔

موبائل فون آپ کو پاگل کرسکتا ہے

یقیناً آپ حیران رہ جائیں گے، جب آپ اسمارٹ فونز، سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ پر استعمال ہونے والے ڈیٹا کا حجم دیکھیں گے۔ دنیا کی کل آبادی سات ارب ۹۱ کروڑ ہے لیکن موبائل فون کنکشن کی تعداد دس ارب ۳۷ کروڑ ہے، جو کل آبادی سے ۳۰ فیصد زیادہ ہیں۔ ہر صارف اوسطاً دو گھنٹے ۵۱ منٹ اسمارٹ فون پر خرچ کرتا ہے، دنیا کے ۶۶ راعشاریہ پانچ فیصد لوگوں کے پاس سیل فون ہیں۔ یہ پانچ ارب تیرہ کروڑ بنتے ہیں اور اگلے سال ان کی تعداد سات ارب ۳۳ کروڑ ہو جائے گی یعنی دنیا کے ہر شخص کے پاس فون ہوگا۔ امریکہ میں ہر دس سال اور دنیا میں بارہ سال کے بچے کے پاس اسمارٹ فون ہے۔ ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۰ء کے درمیان پیدا ہونے والوں کو جنریشن زی (زیڈ) کہا جاتا ہے، ان میں سے ۹۸ فیصد کے پاس موبائل فون ہے اور ان میں سے ۷۹ فیصد نوجوان اپنا فون ۲۲ گھنٹے اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ یہ سوتے بھی فون کے ساتھ ہیں۔ امریکہ میں ۱۸ سال سے ۲۹ سال کے تمام لوگ اسمارٹ فون استعمال کرتے ہیں اور یہ صرف موبائل فون پر اشیا سرچ کرنے پر ہر سال ۳۴ بلین ڈالرز خرچ کرتے ہیں۔ کرۂ ارض کے چار ارب ۳۹ کروڑ لوگ انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے ۲۷ فیصد موبائل انٹرنیٹ یوزر ہیں اور ان کی تعداد میں روزانہ دس لاکھ کا اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکہ کی کل آبادی ۳۳ کروڑ ۱۴ لاکھ ہے جبکہ موبائل فون ۲۷ کروڑ ہیں اور ۲۰۱۹ء میں لوگوں نے ۱۹۴ بلین (دو ارب) ایپس ڈاؤن لوڈ کیں۔ یہ ڈیٹا انتہائی حیران کن ہے لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ حیران کن بات فون کا استعمال ہے۔ ہم لوگ اوسط روزانہ ۶۳ مرتبہ فون چیک کرتے ہیں۔ ان میں سے ۲۲ فیصد لوگ ایک منٹ میں ایک بار فون ضرور ٹچ کرتے ہیں۔ اگر ۸ گھنٹے سوئیں تو باقی ۱۶ گھنٹے بچتے ہیں اور ان ۱۶ گھنٹوں میں ۹۶۰ منٹ ہوتے ہیں گویا یہ لوگ ۹۶۰ بار موبائل فون ٹچ کرتے ہیں۔ ہم میں ۹۰ فیصد لوگ موبائل فون ایپس بھی استعمال کرتے ہیں۔ آپ اپنے موبائل کو دیکھ لیں۔ آپ بھی واٹس ایپ سے لے کر انسٹا گرام تک درجنوں ایپس کے یوزر ہوں گے اور امریکہ میں سروے ہوا تو ۹۲ فیصد امریکیوں نے اعتراف کیا ہم موبائل فون کے عادی (ایڈکٹ) ہو چکے ہیں اب اس کے بغیر ہم زندگی کا تصور نہیں کرسکتے۔

آئیے اب اگلے سوال کی طرف، اسمارٹ فون ہم پر کتنا اور کیسے اثر انداز ہو رہا ہے؟ یہ اعداد وشمار پچھلے ڈیٹا سے بھی زیادہ پریشان کن ہیں، اسمارٹ فون نے دنیا میں موٹاپے میں ۴۳ فیصد اضافہ کیا، آنکھوں، گردن، کندھوں اور ریڑھ کی ہڈی کے امراض میں ۶۱ فیصد اضافہ ہوا، ہر دوسرا شخص آنکھوں کی ڈرائی نیس کا شکار ہے، انسان کی اٹینشن (Attention) کا دورانیہ فلم کے دور میں ۴۵ منٹ تھا (ہم ۴۵ منٹ کھلی آنکھوں سے دیکھ اور سن سکتے تھے) ٹیلی ویژن آیا تو یہ اس اٹینشن اسپین کو ۲۶ منٹ پر لے آیا۔ یوٹیوب نے اسے پانچ منٹ کردیا، آج سے تین سال پہلے تک یوٹیوب کے زائرین زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ کی ویڈیو دیکھتے تھے لیکن پھر ٹک ٹاک، لائیکی، اسنیک ویڈیو، ویمیو اور ڈب اسمیش آئیں اور یہ اٹینشن اسپین کم ہوتا ہوا ایک منٹ رہ گیا اور یہ ایک سال بعد دس سکنڈ سے لمبی ویڈیوز نہیں دیکھ سکیں گے۔ آپ کو اگر یقین نہ آئے تو آپ خود دیکھ لیں، آپ دو تین سال پہلے تک کسی مولوی صاحب کی دو تین گھنٹے کی تقریریں سن لیتے تھے لیکن اب سوشل میڈیا پر چند سیکنڈ کے کلپس وائرل ہوتے ہیں۔

اب ہم ایک منٹ سے بڑا آڈیو میسیج بھی نہیں سنتے لہٰذا آئی فون اور سیمسنگ نے آڈیو کو تیز کرنے کا فیچر متعارف کرادیا اور یوٹیوب نے یوٹیوب شارٹس کے نام سے مختصر ویڈیوز بھی شروع کردیں، ان تبدیلیوں نے ہماری لرننگ اور سوچنے کی صلاحیت برباد کردی ہے۔ لہٰذا آج آپ کسی سے بھی بات کریں وہ آپ کی بات سمجھے بغیر دوڑ پڑے گا اور کاغذ کی جگہ قلم اور گلاس کی جگہ کپ لے آئے گا، آپ کسی دکان یا دفتر چلے جائیں آپ کو وہاں ہر موبائل میں گھسا دکھائی دے گا اور وہ آپ کو انتہائی بیزاری سے دیکھے گا۔ لوگ موبائل کان سے لگا کر موٹر سائیکل بھی چلاتے ہیں او جہاز بھی لہٰذا پوری دنیا میں ایکسیڈنٹ کی اوسط بڑھ گئی ہے، لوگوں کی لوگوں میں دلچسپی تک ختم ہوگئی ہے۔ اب ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر کسی تیسرے شخص کے ساتھ چیٹ کر رہے ہوتے ہیں۔ لائیو شوز میں دیکھ لیں، مہمان دوسرے کی بات سنے کی بجائے موبائل فون میں گھسے ہوتے ہیں اور پھر انہیں سوال سمجھنے میں دیر لگتی ہے۔ ہمارے فقرے بھی سکڑ گئے ہیں، ہم مسکرانے کا کارٹون یا بندھے ہوئے ہاتھ بھجوا کر مسکراتے اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہم عام زندگی میں اب یہی سائن استعمال کرتے ہیں، یہ تمام فیچرز انسانی یادداشت اور معاشرت کو تبدیل کررہے ہیں لیکن ٹوئیٹ، فیک نیوز اور یوٹیوب نے پورے معاشرے کا بیڑا غرق کردیا۔ یہ ٹینشن اور انگزائٹی لیول کو چار گنا اوپر لے آئے ہیں، انگزائٹی اور ڈپریشن کی ادویات کے استعمال میں بھی پہلے سے دس گنا اضافہ ہوگیا۔ اب تو ڈاکٹر بھی ادویات دیتے وقت خوراک کے ساتھ ساتھ موبائل سے پرہیز کا مشورہ دیتے ہیں۔ آپ بے شک عامر خان کی طرح اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا ایپلی کیشنز ترک نہ کررہے ہیں۔ یہ ماڈرن زمانے کے ماڈرن گیجٹس ہیں، آپ انہیں چھوڑ کر وقت سے پیچھے رہ جائیں گے تاہم آپ تین کام ضرور کریں۔ اس سے آپ انگزائٹی سے بھی بچ جائیں گے اور آپ کے کام کا ہرج بھی نہیں ہوگا۔ آپ کا کام اگر سیل یا کسٹمر کیئر کا نہیں تو آپ سب سے پہلے اپنے فون کو مستقل طور پر سائیلنٹ کردیں اور کال سننے کی بجائے لوگوں کو رنگ بیک کیا کریں۔ کال کی بجائے لوگوں کو وائس نوٹ بھیجا کریں اور یہ بھی تیرہ سیکنڈ سے لمبا نہیں ہونا چاہئے۔ فون دیکھنے اور ٹچ کرنے کے دورانیے کو ایک گھنٹے تک لے آئیں۔ گھنٹے سے پہلے فون نہ دیکھیں اور نہ اسے ٹچ کریں۔ کام، ڈرائیونگ اور واک کے دوران فون بالکل استعمال نہ کریں، دوسروں کے ساتھ میٹنگ میں بھی فون کی طرف نہ دیکھیں، آپ صرف وہ ایپلی کیشن ڈاؤن لوڈ کریں جن کی آپ کو اشد ضرورت ہے، باقی ایپلی کیشنز ڈیلیٹ کردیں، ٹوئٹر کو کم سے کم وقت دیں اور یوٹیوب پر بھی صرف وہ چینل دیکھیں جن کی آپ کو ضرورت ہے۔ گاسپ اور فیک نیوز چینل پر وقت برباد نہ کریں اور آخری مشورہ یہ ہے کہ آپ ہر فارورڈ میسیج دیکھے بغیر ڈیلیٹ کردیا کریں اور اسے کسی قیمت پر کسی شخص کو فارورڈ نہ کیا کریں۔ آپ یقین کریں آپ کی زندگی میں سکون آجائے گا، ورنہ دوسری صورت میں آپ کسی دن دیوار میں ٹکر ماردیں گے یا کپڑے پھاڑ کر سڑک پر نکل آئیں گے، موبائل فون آپ کو پاگل کردے گا۔

گوشہ روزگار

کھیل کے شوقین طلبا کے لئے اسپورٹس سائنس میں ہے بہترین کیرئیر

ہمارے ملک میں کھیلوں کا بے انتہا شوق پایا جاتا ہے، خصوصاً کرکٹ کے تو لوگ دیوانے ہیں۔ کھیلوں سے محبت کرنے والی یہ قوم پیشہ ور کھلاڑی تو پیدا کرتی ہے مگر یہاں پیشہ ور کوچنگ اسٹاف اور دیگر ماہرین کی کمی ہے۔ کسی بھی کھیل میں کھلاڑی کے علاوہ اس سے وابستہ مختلف شعبوں کے لیے کئی پیشہ ور لوگ بھی درکار ہوتے ہیں، جو عام طور پر اسپورٹس سائنس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد خدمات انجام دیتے ہیں۔ اسپورٹس سائنس مختلف علوم کا مجموعہ ہے جو بنیادی طور پر ورزش (ایکسر سائز) کے پیچھے کارفرما کارکردگی کے سائنسی اصولوں پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ اس مضمون میں سائنس کی شاخوں بشمول فزیولوجی، سائیکولوجی، بائیومیکینک اور نیوٹریشن کو خاص اہمیت دی جاتی ہے، ساتھ ہی طلباء کی بزنس اور مینجمنٹ صلاحیتوں کو بھی پروان چڑھایا جاتا ہے تاکہ جب وہ گریجویشن مکمل کرلیں تو مختلف انڈسٹریز کی وسیع رینج میں اپنا کیریئر بنانے کے قابل ہوں۔

اسپورٹس سائنس کا نقطۂ ارتکاز ورزش اور انسانی جسم کے درمیان تعلق پر ہوتا ہے، جہاں ایک خلیہ کی سطح پر پڑنے والے اثرات کو پورے جسم کے تناسب سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ امر حیران کن نہیں ہے کہ اسپورٹس سائنس کے زیادہ تر گریجویٹس کی منزل کھیلوں کی انڈسٹری ہی ہوتی ہے جہاں وہ کھلاڑیوں کے ساتھ ان کے ریکارڈز بنوانے میں مدد کرتے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں کے دوران اسپورٹس سائنس ایک مقبول ڈگری کے طور پر سامنے آئی ہے اور ورزش کی وجہ سے انسانی جسم میں ہونے والی تبدیلیوں اور ان کے ردّعمل، کھلاڑیوں کی تربیت، ان کی حالت اور قوتِ محرکہ پر نئی تحقیقات کی جاری ہیں۔ کچھ اداروں میں مزید مضامین کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ فزیالوجی، نیورو فزیولوجی، سائیکوفزیولوجی، سائیکولوجی، بائیوکیمسٹری، بائیومیکینک، مسل میکینک، بائیوکائی نیٹک، اناٹومی اور امیونولوجی کے علوم طلباء کو انسانی نفسیات، جسم اور قوتِ محرکہ کو سمجھنے میں مدد کرتے ہیں۔ مختلف نوعیت کے یہ علوم اسپورٹس سائنس کے طلباء کے علم کو وسعت بخشتے ہیں، جس سے ان کو یہ فیصلہ کرنے میں بھی مدد ملتی ہے کہ وہ اپنے لیے کونسا کیریئر منتخب کریں۔

اسپورٹس سائنس کی تعلیم: ہمارے ملک میں بھی ایسے تعلیمی ادارے موجود ہیں جو اسپورٹس سائنس اور فزیکل ایجوکیشن کا چار سالہ بی ایس پروگرام پیش کرتے ہیں۔

داخلے کی شرائط: بی ایس اسپورٹس سائنس میں داخلے کے لیے آپ کو ہائر سیکنڈری اسکول سرٹیفکیٹ، اے لیول، ایف ایس سی (پری میڈیکل) یا مساوی میں کم سے کم ۵۰ فیصد مارکس کے ساتھ درخواست دینی پڑے گی۔ اس پروگرام میں آپ کو پیشہ ور کوچ، اسپورٹس، ڈائریکٹر، اسپورٹ اینڈ ایکسر سائز سائنسدان، کوآرڈی نیٹر اور اسپورٹس ڈیولپمنٹ آفیسر آپ کو اسپورٹس کی تعلیم کے عیوب ومحاسن سے بہرہ مند کرتے ہیں۔

کھیلوں کے سائنسی مطالعہ کے ذریعے محققین نے اس بارے میں پہلے سے زیادہ بہتر تفہیم حاصل کرلی ہے کہ انسانی جسم کس طرح ورزش، ٹریننگ، مختلف ماحول اور بہت سے دیگر محرکات پر ردّعمل ظاہر کرتا ہے۔

مواقع: اگر آپ اسپورٹس سائنس کے متعلقہ مضامین میں مہارت حاصل کرلیتے ہیں تو آپ کھیلوں کی کسی بھی فیلڈ کی شروعات کرسکتے ہیں۔ اسپورٹس سائنس اور پرفارمنس کنسلٹینٹ کی مانگ اور روزگار کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے تاکہ کھلاڑیوں کی کارکردگی بڑھا کر بہترین نتائج حاصل کیے جاسکیں۔ اسپورٹس سائنس گریجویٹ ذیل میں درج پیشے بھی اپنا سکتے ہیں:

ایکسر سائز فزیلوجسٹ: ایکسر سائز فزیولوجسٹ کسی کھلاڑی کو لاحق بیماری یا انجری سے چھٹکارا دلانے کے لیے اسپورٹس سائنس کی تعلیم کو ایک ایکسر سائز پروگرام ڈیزائن کرنے میں استعمال کرسکتا ہے۔ وہ مریض کی صحت کے حوالے سے مختلف پیمائشوں (جیسے بلڈ پریشر، دل کی دھڑکن، اعضا کی لچک وغیرہ) کو انجام دیتا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ مریض کو اب مزید کیا چیز درکار ہے۔ کسی بھی ایتھلیٹ یا مریض کی

(باقی صـ۱۴ پر)

بی جے پی حکومت نے سب کا ساتھ تو لیا مگر کیا سب کا وِناش

بی جے پی ہے صنعتکاروں کے مفادات کی محافظ
بی جے پی کو اپنی اقربا پروری نظر نہیں آتی

سماجوادی پارٹی صدر جناب اکھلیش یادو کا ایک انٹرویو

س: بی جے پی کا کہنا ہے کہ ریاست میں ۴ء۵ لاکھ لوگوں کو ملازمت دی گئی، کئی کروڑ لوگوں کو دیگر روزگار سے جوڑا گیا، کسانوں کی بھرپور مدد کی گئی ہے، پھر بھی آپ ان کو نظرانداز کیے جانے کی بات کررہے ہیں؟

ج: بی جے پی حکومت میں مہنگائی بڑھی ہے۔ یہ حکومت کسانوں کو کھاد نہیں دے پائی۔ آمدنی دوگنی کرنے کے نام پر دھوکا دیا۔ فصل پر ایم ایس پی بھی نہیں دی۔ نوجوانوں کو ملازمت دینے کے نام پر حکومت نے فریب دہی کی۔ حکومت آؤٹ

> بی جے پی آسانی سے کوئی کام نہیں کرنا چاہتی ہے۔ بی جے پی والے صنعت کاروں سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کی آپس میں سانٹھ گانٹھ ہے۔ اگر بی جے پی ایماندار ہے تو یہ بتائے کہ اسے سیاسی چندے کے بطور کہاں سے اور کتنی رقم ملی ہے؟ سب سے زیادہ چندہ بانڈ کی شکل میں بی جے پی کو ہی ملا ہے۔

سورسنگ کو ملازمت بتا رہی ہے۔ ملازمت نکلی تو اس کے امتحانات منسوخ ہوتے رہے۔ پیپر لیک ہوئے، حکومت نے ۶۹ ہزار اساتذہ تقرری والے نوجوانوں کے ساتھ ریزرویشن میں تفریق کی۔ اس کے خلاف تحریک چلانے پر نوجوانوں کو حکومت پانچ سال تک لاٹھی سے پٹواتی رہی۔ بی جے پی نے 'سب کا ساتھ لیا لیکن کیا سب کا وناش'۔

س: نوجوانوں کا آپ پر اعتماد کرنے کی وجہ؟

ج: سماجوادی پارٹی نے اپنے 'وچن پتر' میں وہی وعدے کیے تھے جو وفا کیے جاسکیں۔ ہماری سابقہ حکومت میں ۱۸ لاکھ لیپ ٹاپ تقسیم کیے گئے تھے۔ ہماری پارٹی کی سابقہ حکومت کا ٹریک ریکارڈ رہا ہے کہ جو کہا اسے پورا کیا۔ حکومت سے ریٹائر سینئر افسران اور دیگر شعبوں کے ماہرین کے ساتھ غور و خوض کرکے ہی 'وچن پتر' تیار ہوا تھا۔

س: آپ نے حکومت قائم ہونے پر کسانوں کو فصل کا ایم ایس پی دینے کی مسلسل بات کی تھی۔ ایم ایس پی میں مرکزی حکومت کا کردار بھی ہوتا ہے، پھر یہ وعدہ کیسے پورا ہوگا۔

ج: بی جے پی آسانی سے کوئی کام نہیں کرنا چاہتی ہے۔ بی جے پی والے صنعتکاروں سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کی آپس میں سانٹھ گانٹھ ہے۔ اگر بی جے پی ایماندار ہے تو یہ بتائے کہ اسے سیاسی چندے کے بطور کہاں سے اور کتنی رقم ملی ہے؟ سب سے زیادہ چندہ بانڈ کی شکل میں بی جے پی کو ہی ملا ہے۔ جہاں تک ایم ایس پی کا سوال ہے تو ہم کسانوں کو اسے ضرور دیتے۔ حکومت منڈیوں کے ذریعہ کسانوں کی پیداوار ایم ایس پی پر خریدے گی، اس کے لیے کچھ وقت کے لیے بجٹ کا انتظام کیا جائے گا، بعد میں اسے مرکزی ادارہ ایف سی آئی کو فروخت کیا جائے گا۔ حکومت بننے کے بعد اپریل میں گیہوں کی خرید سے ہی ایم ایس پی کو نافذ کیا جائے گا۔

س: آپ کہتے ہیں 'نئی ایس پی ہے، نئی ہوا ہے' لیکن بی جے پی تو سماجوادی پارٹی کے سلسلہ میں کچھ اور ہی الزام لگاتی ہے؟

ج: بی جے پی وسماجوادی پارٹی کو مافیا والی پارٹی، مجرموں کی پارٹی اور گاؤں کی پارٹی بتاتی رہی ہے۔ ہمیں بیک ورڈ بھی کہا جاتا رہا ہے لیکن انھی بیک ورڈوں کی پارٹی نے لکھنؤ میں میٹرو چلائی، بی جے پی پانچ برس میں منشی پلیا سے آگے میٹرو نہیں بڑھا سکی۔ وزیر اعلیٰ (یوگی) تو اپنے شہر گورکھپور میں میٹرو تک نہیں چلا سکے۔ پھر وہ (بی جے پی) کا ہے کے فارورڈ؟ بی جے پی والوں کا بس چلے تو میٹرو کے پہیے کھول لے جائیں، (طنز کرتے ہوئے) بی جے پی آگرہ، لکھنؤ ایکسپریس وے جیسے کوالٹی کے ایکسپریس وے نہیں بنا پائی۔ پانچ برس میں پانچ ایکسپریس وے بنانے کا فرضی بیان دیا جارہا ہے۔ انھیں یوگی اور سنت ہوکر جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔

س: بی جے پی آپ پر مسلسل اقربا پروری کا الزام لگاتی رہی؟

ج: (تلخ لہجہ میں) بی جے پی کے لوگوں کو اپنی اقرباء پروری نظر نہیں آتی۔ وزیر جیوترادتیہ سندھیا، ان کی بوا (وسندھرا راجے)، بوا کا بیٹا کیا ہے؟ وزیر دفاع، ان کا بیٹا کیا ہے؟ سابق وزیر اعلیٰ اور ان کا بیٹا کیا ہے؟ ایک بڑے لیڈر کا بیٹا آخر کہاں کرکٹ کھیلا اور کہاں بالنگ کی؟ جو کرکٹ کنٹرول بورڈ کا سکریٹری بن گیا؟ بابا (یوگی) کے ماموں اگر مٹھ کے پیٹھادیشور نہیں ہوتے تو انھیں (وزیر اعلیٰ) کو یہ مقام نہیں ملتا۔ سیاست میں اگر کوئی زبردست ذات پرست اور کنبہ پرور ہے تو وہ بھارتیہ جنتا پارٹی ہے۔

س: الیکشن میں بلڈوزر اور گلو کا آپ نے خوب ذکر کیا ہے، اس کی کوئی خاص وجہ کیا تھی؟

ج: بابا، سماجوادی پارٹی اور اتحاد کے لوگوں کو بلڈوزر دِکھا کر ڈرانا چاہتے تھے، لیکن وہ گلو کے ساتھ کھیلتے رہے اور عوام نے انھیں زیادہ منہ نہیں لگاتا۔

س: الیکشن کے پہلے مرحلہ میں ہی جناح، دہشت گردی ہجرت اور حجاب کا ایشو بھی اُٹھا، آخر ایسا کیوں؟ بی جے پی نے ترقی کی بات کیوں نہیں کی؟

ج: میں ریاست کے عوام کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اس نے الیکشن کو بنیادی ایشوز مہنگائی، بیروزگاری اور کسانوں کے مسائل کو دور کرنے کے ساتھ ہی ریاست کی ترقی دیکھنے کے لیے بی جے پی کے خلاف ووٹ دیا۔ پانچ برس میں یوگی حکومت نے یوپی کی کوئی ترقی نہیں کی۔ حکومت صرف سماجوادی پارٹی حکومت کی اسکیمیں اور کاموں کا نام ورنگ بدلتی رہی۔ بی جے پی تو نفرت پھیلانے اور کانٹنے کی سیاست میں ہی یقین رکھتی ہے۔ بی جے پی الیکشن کو دوسری سمت میں لے جانا چاہتی تھی مگر اس مرتبہ عوام ان کی بانٹنے کی سیاست میں نہیں پھنسے۔

س: الزام لگایا جاتا ہے کہ ایس پی حکومت میں غنڈہ گردی بڑھ جاتی ہے۔ ایک مخصوص طبقہ کے تئیں حکومت کا رُخ نرمی بھرا رہتا ہے۔

ج: بی جے پی حکومت میں خواتین غیر محفوظ نہیں۔ گورکھپور میں کانپور کے تاجر کو پولیس نے مارڈالا۔ ایک آئی پی ایس دوسرے آئی پی ایس پر بدعنوانی کا الزام لگا رہا ہے۔ ایک آئی پی ایس فرار چل رہا ہے، جھانسی میں ایک نوجوان کو پولیس نے مار ڈالا۔ یہ بی جے پی حکومت میں قانون کا راج ہے۔ حکومت بننے پر جھانسی میں مارے گئے نوجوان کے معاملے میں قصوروار پولیس اہلکاروں پر سخت کارروائیاں ہوں گی۔ جہاں تک اقلیتوں کا سوال ہے تو ملک میں جب سے بی جے پی کی حکومت قائم ہوئی ہے، اقلیتوں میں شامل جین، بودھ، سکھ اور مسلم سب سے زیادہ غیر محفوظ ہیں۔ این سی آر بی کے اعداد و شمار دیکھیں تو بی جے پی حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ زیادہ ناانصافی

> حکومت صرف سماج وادی پارٹی حکومت کی اسکیمیں اور کاموں کا نام ورنگ بدلتی رہی۔ بی جے پی تو نفرت پھیلانے اور کانٹنے کی سیاست میں ہی یقین رکھتی ہے۔ بی جے پی الیکشن کو دوسری سمت میں لیجانا چاہتی تھی مگر اس مرتبہ عوام ان کی بانٹنے کی سیاست میں نہیں پھنسے۔

ہوئی ہے۔

س: الیکشن میں ٹوپی اور سائیکل پر بھی حملے ہوئے؟

ج: ایس پی اور معاون جماعتوں کو عوام کی ملی حکومت نے بی جے پی کے سب سے بڑے لیڈر کو ٹوپی پہننے پر مجبور کردیا۔ ان کی ٹوپی کا رنگ لال ہو بھی نہیں سکتا، کیونکہ یہ رنگ بدلنے والے ہیں۔ جہاں تک سائیکل کو لے کر کہی گئی بات کا سوال ہے تو ان (مودی) کی فوٹو جب دِکھائی گئی تو پھر آواز رُک گئی۔ ◻◻

ہوا کے دوش پر

پوسٹل بیلٹ الیکشن کے نتائج کی حقیقت بیان کررہے ہیں

اترپردیش اسمبلی انتخابات میں آئے نتائج میں بی جے پی ایک بار پھر یوپی میں زبردست اکثریت کے ساتھ اقتدار میں واپس آنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ وہیں دوسری جانب سماجوادی پارٹی کے قومی صدر اکھلیش یادو نے ٹویٹ کرکے پوسٹل بیلٹ کا مسئلہ اُٹھایا دیا ہے۔ اکھلیش یادو نے کہا کہ پوسٹل بیلٹ انتخابات کے نتائج کی حقیقت کو بیان کررہے ہیں۔ پوسٹل بیلٹ سے ووٹ ڈالنے والے ہر اس سچے سرکاری ملازم، اساتذہ اور دیگر ووٹروں کا شکریہ جنھوں نے ہمیں خلوص دل سے ووٹ دیا ہے۔ ایس پی اتحاد کو پوسٹل بیلٹ میں ۵ء۵۱ فیصد ووٹ ملے ہیں، اس کے مطابق سماجوادی اتحاد کو ۳۰۴ سیٹیں ملی ہیں لہٰذا ہماری جیت ہوئی ہے۔ ایس پی سربراہ اکھلیش یادو نے بی جے پی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ حکمراں جماعت کو یاد رکھنا چاہیے کہ دھوکے سے طاقت نہیں ملتی۔ دراصل بھارتیہ جنتا پارٹی زبردست اکثریت حاصل کرکے دوسری بار اقتدار میں واپس آئی ہے۔ بی جے پی اتحاد کو ۲۷۳ سیٹیں ملی ہیں۔ سماجوادی پارٹی کی قیادت والے اتحاد کو ۱۲۵ سیٹیں ملی ہیں۔ بی ایس پی ایک، کانگریس اور جنتا دَل کے امیدواروں نے دو سیٹیں جیتی ہیں۔ سماجوادی پارٹی اور کانگریس کے اتحاد نے ۲۰۱۷ء میں ۵۲ سیٹیں جیتی تھیں۔ بی جے پی نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر ۳۲۵ سیٹوں پر کامیابی حاصل کی تھی۔ یوپی اسمبلی انتخابات میں شکست کے بعد ایس پی کے قومی صدر اکھلیش یادو ایکٹیو موڈ میں نظر آرہے ہیں۔ وہ ۲۱/مارچ ۲۰۲۲ء کو لکھنؤ واقع پارٹی دفتر میں پارٹی کے نومنتخب ایم ایل اے کے ساتھ میٹنگ کرچکے ہیں۔ اکھلیش یادو نے سیٹوں میں اضافہ اور سماجوادی پارٹی کے ووٹ شیئر میں اضافے کے لیے ریاست کے عوام کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم نے دِکھایا ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کی سیٹیں کم کی جاسکتی ہیں۔

سونیا نے پانچ ریاستوں کے صدور سے استعفیٰ طلب کیا

پانچ ریاستوں کے اسمبلی انتخابات میں شکست اور پارٹی کی اعلیٰ قیادت پر تنقید کے بعد کانگریس کی صدر سونیا گاندھی نے ان پانچ ریاستوں میں پارٹی کے سربراہوں کو برطرف کردیا جہاں پارٹی کو گزشتہ ہفتے زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کو پارٹی کی تنظیم نو کی طرف پہلا قدم قرار دیا جارہا ہے۔ آٹھ ماہ قبل پنجاب کانگریس کے سربراہ کا عہدہ سنبھالنے والے نوجوت سنگھ سدھو بھی ان رہنماؤں میں شامل ہیں جنھیں استعفیٰ دینے کے لیے کہا گیا ہے۔ کانگریس کے ترجمان رندیپ سرجیوالا نے ٹویٹ کیا کہ استعفیٰ ریاستی کانگریس یونٹ کی تنظیم نو میں آسانی کے لیے طلب کیے گئے ہیں۔ سونیا گاندھی نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں پارٹی کی تنظیم نو اور اس میں تبدیلیوں کے بارے میں لیڈران کے مطالبہ کے بعد یہ فیصلہ لیا ہے۔ واضح رہے کہ اترپردیش، پنجاب، اتراکھنڈ، گوا اور منی پور میں حال ہی میں اسمبلی انتخابات ہوئے تھے اور ان انتخابات میں کانگریس کو بری طرح ہار کا سامنا کرنا پڑا جبکہ پارٹی کو کم سے کم چار ریاستوں میں جیت کی امید تھی۔ اترپردیش کی ۴۰۳ اسمبلی کی سیٹوں میں سے پارٹی کو محض دو سیٹیں ملی ہیں۔ باقی چار ریاستوں میں بھی پارٹی کی کارکردگی بہت خراب رہی۔

آرایس ایس کی نمائش میں جناح کی تصویر

راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کی ایک نمائش میں پاکستان کے بانی محمد علی جناح کی تصاویر ان دوسو لوگوں کے درمیان لگائی گئی ہیں جن کا گجرات سے کوئی تعلق تھا۔ سنگھ کی یہ آل انڈیا نمائندہ میٹنگ احمد آباد کے پرانہ گاؤں میں ہوئی ہے۔ سنگھ کے سربراہ موہن بھاگوت خود بھی ۱۱/ سے ۱۳/مارچ تک ہونے والے پروگرام میں شرکت کرنے والوں میں تھے۔ اس میں بی جے پی کے صدر جے پی نڈا نے بھی شرکت کی ہے۔ 'جن ستا' کی رپورٹ کے مطابق نمائش میں دوسو ایسے لوگوں کو دِکھایا گیا ہے جنھوں نے اپنی چھاپ چھوڑی اور جن کا تعلق گجرات سے تھا، ان میں گاندھی جی کے ساتھ دادا بھائی نروجی، دھیرو بھائی امبانی، رتن ٹاٹا اور گیز کورین اور کانگریس لیڈر سیم پترودا شامل ہیں۔ اس میں وکرم سارا بھائی جیسی شخصیات کے ساتھ عزیز پریم جی، ونود مانکڈ، پروین بابی، سنجیو کمار اور ڈمپل کپاڈیہ کی تصاویر بھی شامل ہیں۔ یہ پروگرام سنگھ کی گجرات یونٹ کی طرف سے منعقد کیا گیا ہے۔ اس میں بارہ ہزار سے زائد لوگوں نے شرکت کی، جناح کی تصویر کے نیچے لکھا کیپشن تھا ''ایک بیرسٹر جو پہلے دیش بھگت تھا لیکن بعد میں اس نے مذہب کی بنیاد پر ملک کی تقسیم کرائی۔'' واضح رہے کہ بی جے پی رہنما جسونت سنگھ کی جناح پر لکھی گئی کتاب پر گجرات حکومت نے پابندی عائد کردی تھی۔ جب ۲۰۰۵ء میں ایل کے اڈوانی نے پاکستان کے دورے کے دوران جناح کے مقبرے پر حاضری دی اور انھیں عظیم کہا تو ہر طرف سے انھیں تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ایونٹ کے کور آرڈی نیٹر سریش کا شیکر کا کہنا ہے کہ ہم نے ان لوگوں کی تصاویر نمائش میں رکھی ہیں جنھوں نے ملک کے لیے کام کیا۔ جناح کی تصویر پر ان کا کہنا تھا کہ سنگھ کی تنظیم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نمائش میں صرف وہی لوگ شامل کیے جائیں جو ہمارے نظریے سے وابستہ ہوں۔ ایک رپورٹ کے مطابق جناح ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کی جڑیں گجرات سے وابستہ تھیں اور ان کا تعلق لوہنا ذات سے تھا۔ مچھلی کے کاروبار کی وجہ سے سماج نے ان کے خاندان کا بائیکاٹ کردیا تھا، پھر جناح کے والد نے اسلام مذہب اختیار کرلیا اور اپنے چار بیٹوں کے نام بھی تبدیل کردیئے۔ جناح کا خاندان بنیادی طور پر گجرات کے کاٹھیاواڑ کے گاؤں پنیلی سے تھا۔ ان کے دادا کا نام پریم جی بھائی میگھ جی ٹھکر تھا۔ مچھلیوں کی تجارت کی وجہ سے سماج نے انھیں قبول نہیں کیا اور ان کا بائیکاٹ کردیا۔ جناح کے والد پنجالال ٹھکر نے اپنا مذہب تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا اور اسلام مذہب اختیار کرلیا۔

ماضی کے جھروکے سے
تاریخ اسلام کا ایک ورق

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عظمت ۱

تحریر: محمد عبدالحلیم اطہر سہروردی

اسلام کے اعلان کے بعد سے جب مکمل تیرہ برس تک مسلمانوں پر کفار کے ظلم وستم کا سلسلہ جاری رہا تو وحی الٰہی کے ذریعہ آپؐ کو حکم ملا کہ آپؐ اور آپ کے صحابہ اکرامؓ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ جائیں، اس وقت اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے اس سفر ہجرت میں تمام جماعت صحابہ میں سے صرف حضرت ابوبکرؓ کو ہی منتخب فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق ہی رسول اللہؐ کے ساتھ اس سفر ہجرت میں شامل تھے اور رفیق سفر و یار غار بنے اور حضرت ابوبکر صدیق نے قدم قدم پر ایسی جانی و مالی خدمات انجام دیں کہ عشق ومحبت اور جانثاری وقربانی کی ایسی کوئی اور مثال ساری کائنات میں نہیں مل سکتی۔

حضرت ابوبکر صدیق نے روایتوں کے مطابق رسول اللہؐ کو اپنے کندھے پر اٹھالیا تا کہ قدم مبارک کے نشان نہ آنے پائے، مبادا قدم شناشی سے خطرے میں نہ آجائیں۔ یہ دونفری قافلہ جب غارثور پر پہنچا تو حضرت ابوبکرؓ نے غار کے دہانے پر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھوڑی دیر کے لیے باہر ہی توقف کروایا اور خود اندر تشریف لے گئے، غار کو خوب اچھی طرح صاف کیا، پھر حضورؐ کو آواز دی تب حضورؐ اندر تشریف لے گئے۔ دوسری جانب کفار کی تلاشی مہم جاری رہی، جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا۔ تلاش میں شدت لائی جارہی تھی، کھاڑیاں، جھاڑیاں، پہاڑیاں غرض کہ ہر جگہ چھان ماری جارہی تھی، لیکن کہیں سراغ نہ لگا، ایک مرتبہ تو کفار غار ثور کے منہ تک بھی آگئے، قریب تھا کہ اگر وہ اندر جھانک لیتے تو یہ دونوں مقدس ہستیاں نظر آجاتیں، حضرت ابوبکرؓ کو تشویش ہوئی اور تشویش ہونی ہی چاہیے، ان کو فکر اپنی جان کی نہیں بلکہ رسول اللہؐ کی فکر تھی، انھوں نے اپنی تشویش کا اظہار حضورؐ سے بھی کیا، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اے ابوبکر: **لاتحزن ان اللہ معنا** پریشان نہ ہو، اللہ کی معیت ہمارے لیے ہے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ پر گویا سکینت نازل ہوگئی۔ تین دنوں تک غار ثور میں قیام کرنے کے بعد، حضرت عبداللہ بن ابی بکر نے اطلاع دی کہ اب سب تھک ہار کر بیٹھ گئے ہیں۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے پہلے سے تیار کی ہوئی دونوں سواریاں منگوائیں، ایک حضورؐ کی خدمت میں پیش کی، اور ایک پر خود سوار ہوئے، ساتھ میں حضرت عبداللہ، وحضرت عامر بن فہیرہ کو لیا اور مدینہ کی طرف کوچ فرمایا، اور یہ قافلہ بخیر وعافیت مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

ہجرت کے بعد مکہ والوں کی طرف سے آنے والی مصیبتیں تو ختم ہوگئی تھی لیکن مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو دوسری قسم کی خدمات تفویض کی گئیں اور جان بازی وجان نثاری کے امتحانات دوسرے طریقہ سے شروع ہوئے، تیرہ سال مکہ میں کفار کے ظلم وستم سہنے اور ہجرت کی صعوبتوں کے امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت وحکم دیا گیا چنانچہ رسول اللہؐ کی زندگی میں اُنیس غزوات پیش آئے جن میں سب سے پہلا غزوہ بدر ہے اور سب سے آخر غزوہ تبوک ہے ان غزوات میں حضرت سیدنا ابوبکرؓ کے جو کارنامے ہیں چند کا ذکر پیش ہے۔

> **غزوہ تبوک میں لشکر کا جائزہ لینا اور لشکر کی امامت کرنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہی کام تھا اور اسی غزوہ میں وہ واقعہ پیش آیا کہ جس میں آنحضرتؐ نے مال جمع کرنے کیلئے حکم دیا تھا اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے سبقت لیجانے کا ارادہ کیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے غزوہ کیلئے سارا مال و متاع پیش کردیا تھا۔**

جنگ بدر ۱۷؍رمضان المبارک کو ہوئی، اسلام کے اس پہلے غزوہ میں رسول اللہؐ کیلئے عریش (چادر) تان کر ایک سائبان بنادیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق اس عریش میں رسول اللہ کے ساتھ رہتے تھے اور رات کو ہاتھ میں تلوار لیکر عریش کی نگہبانی کرتے تھے جس صبح کو لڑائی ہونے والی تھی اس کی اخیر شب میں رسول اللہؐ نے بڑی بیتابانہ دعا مانگنا شروع کیا کہ رب العالمین اپنا وعدہ پورا کر اگر یہ تیرے فرمانبردار بندے شکست کھا جائیں گے تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہیں ہوگا، رسول اللہؐ حملے سے پہلے والی رات میں سراپا عجز وانکسار بن کر ہاتھ پھیلائے دعائیں کررہے تھے کہ باری تعالیٰ یہ مٹھی بھر جماعت اگر آج ختم ہوگئی تو پھر اس روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا، الٰہی اپنا وعدۂ مدد پورا فرمایئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے حبیب ورفیق کی بیقراری دیکھی نہ گئی حضرت صدیق اندر آئے اور کہا یارسول اللہ! بس کیجئے آپ کی اتنی دعا کافی ہے حضرت صدیق کے کہتے ہی رسول اللہ نے سر اٹھایا تو جبرئیل وحی لیکر آئے اور کہا: **سیھزم الجمع ویولون الدبر**۔ غزوہ احد کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے، تو سب سے پہلے اس گڑھے تک پہنچنے والے حضرت ابوبکرؓ ہی تھے۔ جب احد سے کفار چلے گئے اور مسلمان زخموں سے چور چور تھے، کسی میں اٹھنے کی تاب نہ تھی، لیکن کفار کے تعاقب میں جانا ضروری سمجھا گیا، تو حضرت ابوبکرؓ وحضرت زبیرؓ وغیرہ ستر صحابہ کرام نے حمراءالاسد تک ان کا تعاقب کیا، جس تعاقب کی وجہ سے امیر کفار ابوسفیان کو پلٹنے کا خیال بھی آیا تھا، مگر پلٹ نہ سکا۔ غزوہ خندق میں خندق کے ایک جانب کی حفاظت حضرت ابوبکر صدیق کے سپرد تھی اور اس طرف سے کوئی کافر خندق عبور نہیں کرپایا۔ غزوہ خیبر میں بھی ایک روز حضرت ابوبکر صدیق سردار لشکر بنا کر بعض علاقوں کی فتح کیلئے بھیجے گئے اگرچہ اس روز فتح نہیں ہوئی لیکن اس روز کی لڑائی نے کافروں کا غرور ایک حد تک توڑ ڈالا بالآخر حضرت علیؓ کے ہاتھ فتح نصیب ہوئی۔ غزوہ تبوک میں لشکر کا جائزہ لینا اور لشکر کی امامت کرنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہی کام تھا اور اسی غزوہ میں وہ واقعہ پیش آیا کہ جس میں آنحضرتؐ نے مال جمع کرنے کیلئے حکم دیا تھا اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے سبقت لیجانے کا ارادہ کیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے غزوہ کیلئے سارا مال ومتاع پیش کردیا تھا جبکہ حضرت عمرؓ نے آدھا پیش کیا تھا۔ اسی طرح غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں کے قدم اولاً اکھڑ گئے تو جن حضرات نے ثبات قدمی اور انتہائی عزم وحوصلہ جواں کا ثبوت دیا ان میں حضرت ابوبکرؓ کی ذات گرامی بھی تھی۔ طبقات ابن سعد میں ہے اور جب کفار حنین سے بھاگے، اور قلع طائف میں محصور ہوئے، تو ان کا تعاقب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اس میں بھی حضرت ابوبکرؓ اخیر تک حضورؐ کے ساتھ رہے۔ (جاری)

حضرت زین العابدین کا ایک عجیب سبق آموز واقعہ

حضرت زین العابدینؒ کی باندی آپ کو وضو کرا رہی تھی، اور مٹی کے لوٹا سے ان پر پانی ڈال رہی تھی، باندی سے خطا ہوگئی اور لوٹا حضرت کے سر پر گر کر ٹوٹ گیا اور چہرہ زخمی ہوگیا۔ حضرت کا چہرہ غصہ سے تمتما اُٹھا، اور اپنی نگاہ اُٹھا کر باندی کی طرف دیکھا۔ باندی نے برجستہ کہا **والکاظمین الغیظ**۔ اللہ کے محبوب ومقبول بندے غصہ کو پی جاتے ہیں، تو حضرت نے فوراً جواب میں فرمایا **کظمت غیظی** میں اپنے غصہ کو پی گیا۔ باندی نے عرض کیا **والعافین عن الناس**، لوگوں کو معاف کردیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا **عفوت عنکِ** میں نے تجھ کو معاف کردیا۔ باندی نے آیت کا آخری حصہ پڑھا۔ **واللہ یحب المحسنین** اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا **اعتقتکِ لوَجہِ اللہ**۔ میں نے تم کو اللہ کی رضا کے لیے آزاد کردیا۔ ان اکابر کے واقعات بتلاتے ہیں کہ ان حضرات نے اپنے نفس کو بالکل ختم کردیا تھا۔ نفس اور خواہش نام کی کوئی چیز نہیں تھی، ان اکابر کا ہر ہر قدم اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے تھا۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا نظام حکومت (۴۰)

سیاسی جماعتیں (Political Parties): ہر جمہوری ملک میں سیاسی پارٹیوں کا ہونا لازمی ہے۔ بغیر ان کے نہ تو جمہوریت قائم رہ سکتی ہے اور نہ حکومت اچھے ڈھنگ سے چل سکتی ہے۔ سیاسی پارٹیاں ہی رائے عامہ (Public Opinion) کو بناتی ہیں اور انھیں منظّم کرتی ہیں۔ عوام یا جمہور کے سامنے ملک کے مختلف سیاسی، معاشی اور سماجی مسئلوں کے حل پیش کرتی ہیں اور برسر اقتدار ہوکر ان مسئلوں کو حل کرنے کی کوشش اپنے نظریے کے مطابق کرتی ہیں۔

ریاستہائے متحدہ کے سیاسی نظام پر بھی سیاسی جماعتیں چھائی ہوئی ہیں۔ اس کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ کانگریس میں اکثریت رکھنے والی سیاسی پارٹی اور صدر کے عہدے میں بہت گہرا تعلق ہے اور اکثر اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ پارٹی کہاں ختم ہوتی ہے اور حکومت کہاں سے شروع ہوتی ہے۔

دستور کی رو سے صدر جملہ اہم فیڈرل عہدوں پر تقرریاں کرتا ہے لیکن اس کے لیے سینیٹ کی رضامندی اور منظوری لازمی ہے۔ عملاً صدر یہ تقرر اپنی پارٹی کے لیڈروں کے صلاح اور مشورے سے کرتا ہے۔ اس طرح سے اہم عہدوں پر اس کی پارٹی کے لوگ آجاتے ہیں۔ اسی طرح قانون بھی عملاً اکثریتی پارٹی کے لیڈروں کی مرضی اور خواہشوں کے مطابق بنائے جاتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کی سیاسی پارٹیاں برطانیہ سیاسی پارٹیوں سے بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً برطانیہ کی قدامت پسند (Conservative) پارٹی سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی حامی ہے اور جائیدادوں اور کارخانوں کی نجی (Private) ملکیت کے حق میں ہے اور اس کا سارا سیاسی اور معاشی پروگرام انھیں اصولوں پر مبنی ہے۔ برعکس اس کے مزدور (Labour) پارٹی اشتراکی نظام (Socialism) کے حق میں ہے اور وہ اہم صنعتوں (Industries) کو قومیانہ (Nationalize) چاہتی ہے اور اشتراکی اصولوں کی بنا پر سیاسی اور معاشی پروگرام بناتی ہے لیکن امریکن سیاسی پارٹیوں کے درمیان اس قسم کا کوئی بنیادی اختلاف نہیں۔ ریپبلکن (Republican) پارٹی اور ڈیموکریٹک (Democratic) پارٹی، دونوں کے پروگرام اور پالیسی تقریباً ایک ہی سے ہیں۔ دونوں کی خارجی پالیسی اور معاشی پروگرام میں کوئی اصولی فرق نہیں۔

گاھے گاھے باز خواں...... ہفت روزہ الجمعیۃ ۱۶ سال پہلے

ماضی کے جھروکوں سے حال پر روشنی ڈالتے ہوئے مستقبل کا اشاریہ!

ہفت روزہ **الجمعیۃ** نئی دہلی

۹؍تا۱۵؍جون ۲۰۰۶ء

علی گڑھ میں دوبارہ فساد: ذمہ دار کون؟

> ۲۸؍فروری ۲۰۰۶ء کو ایک شرپسند اور علی گڑھ کے گذشتہ فساد کے ملزم اوپی گپتا کو کسی نے گولی مار کر جہنم رسید کردیا تھا، اس کو بہانہ بنا کر ایک بار پھر علی گڑھ کی فضا خراب کرکے فرقہ پرستوں نے پھر علی گڑھ میں فساد برپا کردیا تھا، اس پر ہفت روزہ الجمعیۃ کے مدیر تحریر ایم ایس جامعی نے ایک اداریہ تحریر کیا تھا جو حسب ذیل ہے۔

لیجیے تالوں کی صنعت اور مسلمانوں کی تعلیمی دانش گاہ مسلم یونیورسٹی کے لیے معروف علی گڑھ میں فرقہ پرست ایک بار پھر اپنی خون کی پیاس بجھانے میں کامیاب ہوگئے۔ ۲۸؍فروری کی رات میں ایک بی جے پی نواز تاجر اور گذشتہ ماہ ہونے والے فساد کے نامزد ملزم اوپی گپتا کو کسی نے قتل کردیا تھا پھر کیا تھا۔ فرقہ پرستوں کو موقع مل گیا اور انھوں نے پورے علی گڑھ کے مسلمانوں کو اس قتل کا ذمہ دار قرار دے کر آگ وخون کی ہولی کھیلنی شروع کردی اور دیکھتے ہی دیکھتے چار نہتے اور بے قصور مسلمانوں کو خاک وخون میں تڑپا ڈالا جبکہ زخمیوں کی تعداد معتبر اطلاعات کے مطابق دو درجن سے اوپر جاچکی ہے۔

اوپی گپتا نامی تاجر کو کس نے گولی ماری اور اس کا قاتل کون ہے یہ تو تحقیقات کے بعد ہی معلوم ہوسکے گا۔ مگر اُتر پردیش کی نام نہاد سیکولر ملائم حکومت اور اس کی پولیس کے پاس چار بے قصور مسلم نوجوانوں کے قتل کا کیا جواز ہے اور کیا وہ ان بے قصور نوجوانوں کے قاتلوں کو اسی تندہی کے تلاش کرے گی جس تندہی کے ساتھ وہ اوپی گپتا نامی تاجر جو خود بھی ملزم اور پولیس کو مطلوب تھا کے قاتلوں کی تلاش میں مصروف ہے۔ علی گڑھ پولیس کے ایک افسر کا یہ بیان کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ چونکہ پولیس او پی گپتا کے قاتلوں کو ڈھونڈنے میں لگی ہوئی تھی اس لیے وہ فساد کی بروقت روک تھام نہیں کرسکی ہے۔

علی گڑھ میں پچھلے دو ماہ میں فرقہ وارانہ قتل وغارتگری اور غنڈہ گردی کے ننگے ناچ کا یہ دوسرا موقع ہے۔ اس سے پہلے گذشتہ ماہ کے دوران ایک مذہبی تقریب کے موقع پر یہ خونی کھیل کھیلا جاچکا تھا جس میں نصف درجن نہتے اور بے قصور انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا تھا اس وقت ایک مذہبی تقریب میں مداخلت کو بہانہ بنایا گیا تھا اور اس مرتبہ بی جے پی سے وابستہ ایک تاجر اور سابقہ فساد کے ایک اہم ملزم کے قتل کو بہانہ بنایا گیا ہے۔

ہم نے اپنے صفحۂ اوّل کے ایک مضمون میں گذشتہ ۶؍اپریل ۲۰۰۶ء کو برپا ہوئے فرقہ وارانہ فساد پر ریاستی حکومت کو متنبہ کیا تھا کہ غالباً فرقہ پرست طاقتیں علی گڑھ کو اپنا نشانہ مقرر کرچکی ہیں اس لیے کہ یہاں ایک تو مسلمانوں کی یونیورسٹی ہے جو پوری دنیا کو علم وعرفان کی روشنی تقسیم کررہی ہے اور دوسرے یہاں تالے کی صنعت پر ان کی اچھی خاصی پکڑ ہے جس کی وجہ سے یہاں کا مسلمان بظاہر خوش حال نظر آتا ہے اور یہ ہی دونوں باتیں ہیں جو فرقہ پرستوں کو کسی بھی طرح برداشت نہیں ہیں۔ فرقہ پرست طاقتیں دو درجن فسادات کے ذریعہ علی گڑھ کو خاک وخون میں تڑپا چکی ہیں بھلا ملک کی فاشسٹ طاقتیں یہ کیسے برداشت کرسکتی ہیں کہ مسلم یونیورسٹی کے ذریعہ دنیا بھر میں اسلام اور مسلمانوں کا نام روشن ہو اسی طرح ان کے لیے یہ بھی ناقابلِ برداشت ہی ہے کہ مسلمان خوشحالی کی زندگی گزاریں۔ تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ جہاں اور جس شہر وعلاقہ میں مسلمان اقتصادی طور پر بہتر حالت میں ہوتے ہیں فرقہ پرست عناصر اسی شہر اور علاقہ کو اپنا نشانہ بنا ڈالتے ہیں کانپور، مرادآباد، میرٹھ، بنارس، ممبئی، بھونڈی، مالیگاؤں وغیرہ میں برپا ہونے والی فسادات کی سیریز اس کی واضح مثالیں ہیں۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ اس وقت اُتر پردیش کی ملائم حکومت گجرات کی راہ پر چل رہی ہے فرق صرف ظاہر اور باطن کا ہے۔ گجرات میں نریندر مودی فرقہ پرستی کا کھیل کھل کر کھیل رہے ہیں جبکہ ملائم سنگھ یادو در پردہ بی جے پی کو مسلمانوں کے ساتھ خونی کھیل کھیلنے کے مواقع فراہم کررہے ہیں۔ نریندر مودی نے ۲۰۰۲ء کے اسمبلی انتخابات جیتنے کے لیے گودھرا کے ردعمل کے نام پر پہلے پورے گجرات کو خون میں نہلایا اور پھر ہندوؤں کا مسیحا بن کر اسمبلی انتخابات میں زبردست کامیابی کرلی اب پھر آئندہ سال کے شروع میں وہاں اسمبلی انتخابات ہونے والے ہیں اور اب پھر وہ ریاست گیر نہ سہی لیکن ریاست کے حساس علاقوں میں فرقہ پرستوں کے ذریعہ واردات کرا کے ہندو ووٹ بینک کو یہ باور کرانے کی کوشش کررہے ہیں کہ انھیں گجرات میں امن چین اور اقتدار کا مزہ انھیں کی حکومت میں میسر آسکتا ہے۔ اُتر پردیش میں بھی سیاسی صورتِ حال کافی حد تک ملائم سنگھ اور ان کی پارٹی کی گرفت سے باہر ہوچکی ہے۔ ملائم سنگھ دوسروں کے مقابلہ میں بی جے پی کی بھی اولین پسند کہے جاتے ہیں۔ بی جے پی نے گذشتہ تین سال پہلے اقتدار دلانے میں بھی ملازم سنگھ کی کافی مدد کی تھی اب ظاہر ہے ملائم سنگھ ان احسانات کا کسی نہ کسی شکل میں بدلہ دینے کی بہرحال کوشش کریں گے اور چونکہ بی جے پی کی اولین ترجیح اقلیتوں کو دوسرے درجہ کی شہریت قبول کرلینے پر مجبور کرکے ہندوراشٹر کا قیام ہے اس لیے اگر اسے اقلیتوں خاص طور پر مسلمانوں کو پریشان کرنے کے مقصد میں حکومت کا خفیہ تعاون ملتا ہے تو یہ اس کے لیے یہ ایک وردان ہی ہوگا۔

ملائم سنگھ بھی ایک منجھے ہوئے سیاستداں ہیں وہ ایک تیر سے دوشکار کھیلنا چاہتے ہیں ایک طرف وہ فرقہ وارانہ ماحول کو گرم کرکے اور بی جے پی کو ایک نیا مورچہ فراہم کرکے اس کی سیاسی سرگرمیوں کو کمزور کردینا چاہتے ہیں اور دوسری طرف بی جے پی کے شکار مسلمانوں کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ ان کی عافیت انھیں ہی ووٹ دینے میں ہے اور اگر انھوں نے انھیں ووٹ نہیں دیا تو بی جے پی اقتدار میں آجائے گی اور ریاست میں ان کی زندگی دوبھر بنادے گی۔ علی گڑھ کا انتخاب بھی شاید اسی لیے کیا گیا ہے کہ اس شہر میں ہونے والے معمولی معمولی واقعات کا پیغام ملک میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں آسانی کے ساتھ پہنچ جاتا ہے۔

آج جب علم ودانش کا مرکز شہر علی گڑھ دو ماہ میں دوسری بار فرقہ واریت کے نشانہ پر ہے ہمیں سماجوادی پارٹی کے معطل رکن پالیمنٹ مسٹر راج ببر کا وہ خدشہ ایک حقیقت کے روپ میں نظر آرہا ہے کہ سماجوادی پارٹی کے اوّل نمبر کے ایک لیڈر جن کا بی جے پی کے ساتھ گہرا تال میل ہے اُتر پردیش کو فرقہ وارانہ فسادات کی سیریز کے حوالہ کردینا چاہتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو خوف زدہ کرکے ان کے ووٹ ایک بار پھر حاصل کیے جاسکیں انھوں نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ اس کے لیے ان (باقی صـ۱۴ پر)

عالمِ اسلام

نابینا سعودی میکینک جو چھوکر گاڑی کی خرابی بتا دیتے ہیں

مملکت میں نابینا سعودی نوجوانوں نے گاڑیوں کی ورکشاپ میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ گاڑیوں کے مالکان حیران ہیں کہ آخر نابینا ہوتے ہوئے یہ نوجوان میکینک کس طرح گاڑیوں کی اصلاح ومرمت مہارت سے کر رہے ہیں۔ الاخباریہ چینل نے سعودی نابینا میکینکوں سے متعلق خصوصی پروگرام پیش کیا ہے۔ سعودی میکینک گاڑیوں کے پرزوں کے بارے میں بھرپور معلومات رکھتے ہیں اور چھوکر گاڑی کی خرابی بتا کر اسے ٹھیک کر دیتے ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سعودی نوجوان سلیمان اور صالح دونوں کو گاڑیوں سے گہرا لگاؤ ہے۔ شروع میں گاڑیوں سے متعلق معلومات میں دلچسپی لیتے رہے پھر ورکشاپ پہنچے اور وہاں اصلاح ومرمت کا کام سیکھا۔ سلیمان اور صالح کو اپنے پیشے کے بارے میں تمام چھوٹی باتوں کا علم ہے۔ مختلف ماڈل کی گاڑیوں کی خرابیوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر رکھی ہیں۔

الدرعیہ فارموں سے ۲۳۵ ٹن سے زیادہ پیک شدہ کھجوریں تقسیم

سعودی عرب میں الدرعیہ گیٹ ڈولپمنٹ اتھارٹی (ڈی جی ڈی اے) نے شاہ سلمان مرکز برائے امداد وانسانی خدمات کے زیر انتظام منصوبوں کی سپورٹ میں مقامی فارموں سے ۲۳۵ ٹن سے زیادہ پیک شدہ کھجوریں تقسیم کی ہیں۔ عرب نیوز کے مطابق الدرعیہ گیٹ ڈولپمنٹ اتھارٹی نے دسمبر کے اوائل میں شاہ سلمان مرکز برائے امداد و انسانی خدمات کے ساتھ مقامی اور عالمی سطح پر مملکت کی انسانی اور امدادی کوششوں کو تقویت دینے کے لیے کھجور کی فصلوں کی سالانہ تقسیم سے متعلق مشترکہ اقدامات پر تعاون کے لیے ایک شراکت داری قائم کرنے کے لیے مفاہمت کی ایک یادداشت پر دستخط کیے تھے۔ الدرعیہ گیٹ ڈولپمنٹ اتھارٹی کی شاہ سلمان مرکز کے پروگرام کے ساتھ شراکت نے فصلوں کی پیداوار بڑھانے، مقامی کسانوں کی مدد کرنے اور شاہ سلمان مرکز برائے امداد وانسانی خدمات کے انیشیٹوز میں حصہ ڈالنے کے لیے گورنریٹ میں کئی کھجور کے فارموں کی نشاندہی کی ہے۔ کھجوریں سعودی شناخت کی ایک مشہور علامت ہیں اور اس کی جڑیں عربی ثقافت اور مہمان نوازی میں گھر یا دفتر میں داخل ہونے سے لے کر رمضان میں افطاری تک ہیں۔

آرامکو سمیت اہم سعودی تنصیبات کو نشانہ بنانے کی کوشش ناکام

اتحادی افواج نے کہا ہے کہ حوثی باغیوں نے سعودی عرب کی چار اہم تنصیبات کو نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے جنہیں ناکام بنا دیا گیا ہے۔ سبق ویب سائٹ کے مطابق حوثی ملیشیا نے شقیق واٹر پلانٹ، جازان میں آرامکو پلانٹ، ظہران الجنوب میں بجلی کے سٹیشن اور خمیس مشیط میں گیس سٹیشن کو نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ اتحادی افواج نے کہا ہے کہ حوثی ملیشیا کے ڈرون سے چند مکانات اور سڑک پر کھڑی گاڑیوں کو نقصان ہوا ہے جبکہ لوگوں کی جانیں محفوظ رہی ہیں۔ اتحادی افواج نے کہا ہے کہ حوثی ملیشیا کی طرف سے جنونی اور غیر ذمہ داران دشمنانہ کارروائی خلیجی ممالک کی طرف سے امن مذاکرات کا جواب ہے۔ قبل ازیں اتحادی افواج نے کہا تھا کہ اس نے خمیس مشیط پر داغا جانے والا ڈرون تباہ کر دیا ہے۔ اتحادی افواج نے کہا ہے کہ حوثی ملیشیا نے متعدد تنصیبات کو نشانہ بنانے کے لیے ڈرون اور میزائل کا استعمال کیا ہے۔

جمہوریت میں تعلیم کی اہمیت اور مقاصد

تحریر: ڈاکٹر صمد تاثرے وڈکیل

جمہوریت اور تعلیم دو تصورات ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، جمہوری معاشرے نے ہمیشہ تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے، جمہوریت کی بقا کے لئے تعلیم کی بہت ضرورت ہے، یہ تعلیم کے ذریعے ہیں کہ معاشرے یا وطن کے ارکان جمہوریت کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور خاص طور پر ہر فرد کی نشونما اور ترقی پر اس کے اثرات کو سمجھتے ہیں، اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جمہوریت اور تعلیم ایک دوسرے کی حمایت کرتی ہیں اور دونوں مل کر معاشرے کی بھلائی کے لئے کام کرتے ہیں، تعلیم جمہوریت کو انسانیت کی تخلیق کا ایک ذریعہ سمجھتی ہے جبکہ جمہوریت تعلیم کو قوم کی سماجی ترقی کا ذریعہ سمجھتی ہے۔

جمہوریت عوام کی حکومت ہے، عوام سے ہے اور عوام کے لئے ہے، جمہوریت کو مختلف زاویوں سے دیکھا جاسکتا ہے، سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی، اخلاقی وغیرہ۔ سیاسی طور پر یہ حکومت کی ایک شکل ہے جس میں اکثریت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ معاشی طور پر یہ ایک ایسا نظام ہے جہاں کسی کا استحصال نہیں کیا جاتا، جہاں ہر ایک کو مناسب معیار زندگی کا یقین دلایا جاتا ہے، جہاں صلاحیتوں کے مطابق کام کے یکساں مواقع ہوتے ہیں، جہاں معاشی تنظیم اجتماعی یا تعاون کی بنیاد پر ہوتی ہے، جہاں معاشی منصوبے بڑے پیمانے پر کمیونٹی کے فائدے کے لئے تیار کئے جاتے ہیں لیکن کسی نجی ادارے کے لئے نہیں اور نہ ہی مزدوروں کے استحصال کی اجازت ہے، سماجی طور پر، یہ تمام انسانوں کی مساوات کے لئے ہے، ان کے طبقے، ذات، نسل، پیدائش، مذہب، زبان یا مالی حیثیت سے قطع نظر۔ اخلاقی طور پر، یہ شیطانی اعمال کے خلاف بھلائی کی بقا کے لئے ہے۔ بنیادی حقوق، اور مواقع کی مساوات ہر کسی کو شخصیت کی مکمل ترقی کے لئے دی جاتی ہے۔ کچھ جمہوری اقدار ہیں جیسے آزادی، مساوات، برادرانہ انصاف، فرد کا وقار، تعاون، ذمہ داری کا اشتراک وغیرہ یہ ایک طرح سے انسانی زندگی سے متعلق ہیں۔ تعلیم لوگوں کو ایک مثالی ریاست کی تعمیر کے لئے ایسی اقدار کی سختی سے پیروی کرنے کی تربیت دیتی ہے۔ جمہوریت زندگی کا ایک ایسا طریقہ ہے جہاں مسائل کو بحث ومباحثہ، غور وفکر اور خیالات کے تبادلے۔ بجائے ڈکٹیشن، زبردستی، تشدد، عدم اعتماد اور تنازعات کے ذریعہ حل کیا جاتا ہے۔ یہ انفرادی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے فرد کی فلاح و بہبود کے لئے وقف افراد کے درمیان سماجی تعلقات کا ایک حکم ہے۔ یہ ایک ایسا حکم ہے جس میں ہر فرد کو اپنی صلاحیتوں کے مطابق پھلنے پھولنے کے لامحدود مواقع ملتے ہیں اور جس میں طاقت اور ذمہ داریوں کو باہمی بنیادوں پر بغیر کسی تصادم کے بانٹا جاتا ہے۔

جمہوریت کہاں سے شروع ہونی چاھئے؟

اس سوال کا جواب بہت آسان ہے۔ جمہوریت شروع ہونی چاہئے جہاں بچے کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ گھر کا ماحول ہے۔ یہ ایک عام غلطی ہے کہ لوگ صرف تعلیمی اداروں کی سطح پر جمہوریت پر بحث شروع کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ کوئی بچہ رسمی تعلیمی اداروں میں داخل ہو، وہ اپنے گھر سے بہت سی چیزیں سیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ لہذا، گھر میں جمہوری ماحول کو برقرار رکھنا بہت ضروری ہے۔ والدین، بچوں، بہن بھائیوں اور معاشرے کے دیگر افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ مناسب احترام، پیار اور آزادی کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ جمہوریت کو ایک حقیقت اور طرز زندگی بننے کے لئے تعلیم کے آغاز سے ہی متعارف کرانا ہوگا اور اس کے اقدار کو تعلیمی اداروں میں رائج کرنے کی ضرورت ہے۔

جان ڈیوی نے واضح طور پر اس کی وضاحت کی ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں، ؛ جمہوریت حکومت کی ایک شکل سے زیادہ ہے، یہ بنیادی طور پر وابستہ زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے، مشترکہ مواصلاتی تجربات کا؛ پروفیسر سیلی کا خیال ہے کہ جمہوریت حکومت کی ایک شکل ہے جس میں ہر ایک کا حصہ ہے۔ لہذا حکومت کے کاروبار میں ہر کوئی یکساں طور پر ایک اداکار یا کھلاڑی ہے۔ لوگوں کی مرضی کو اچھی طرح پہچانا جاتا ہے اور اسے اولین ترجیح دی جاتی ہے۔ لہذا، تعلیم کی تمام ایجنسیاں رسمی، بے رسمی یا غیر رسمی جمہوری ماحول کو یقینی بنائیں تاکہ جمہوریت کو عملی طور پر سکھایا جاسکے۔

جمہوری تعلیم کی اھمیت

رادھا کرشنن کمیشن (۴۹-۱۹۴۸ء) نے کہا کہ تعلیم معاشرتی آزادی کا عظیم آلہ ہے، جس کے ذریعے جمہوریت اپنے اراکین میں مساوات کے جذبے کو قائم کرتی ہے، برقرار رکھتی ہے اور اس کی حفاظت کرتی ہے۔ یہ واضح ہے کہ جمہوریت صحیح طریقے سے کام کرسکتی ہے اگر اس کے تمام شہری صحیح تعلیم یافتہ ہوں۔ جمہوریت کو تعلیم کے مقاصد فراہم کرنے چاہئیں اور اس طرح جمہوریت کے اصول مقاصد، نصاب، تدریس کے طریقے، انتظامیہ اور تنظیم، نظم وضبط، اسکول، استاد وغیرہ میں منعکس ہونے چاہئیں۔

> **جمہوریت کی کامیابی کا زیادہ تر انحصار استاد پر ہوتا ہے۔ اس کا نقطہ نظر، رویہ اور طرز زندگی۔ اسے ماحول میں ہیرا پھیری کرنی ہے اور تمام مواقع سے استفادہ کرنا ہے تاکہ وہ طالب علموں کے تجربات کو بہتر بنا سکیں اور ان کی شخصیت کی ہمہ جہت نشونما کو یقینی بنائیں۔ وہ ایک آمر نہیں ہے بلکہ ایک دوست، فلسفی، اسٹیج سیٹر، گائیڈ اور ایک چوکیدار نگران ہے۔ وہ مداخلت نہیں کرتا بلکہ تعاون کرتا ہے۔ وہ طلباء کو کافی آزادی، محبت اور ہمدردی فراہم کرتا ہے۔ وہ معروضی ہے۔ کسی بھی قسم کے تعصبات اور جانبداری سے پاک۔**

جمہوریت میں تعلیم کا بنیادی مقصد جمہوری شہریوں کو پیدا کرنا ہے جو نہ صرف معروضی طور پر سماجی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی مسائل کو سمجھ سکتے ہیں بلکہ ان پیچیدہ مسائل پر اپنا آزادانہ فیصلہ بھی کرسکتے ہیں۔ یہ ان میں رواداری کا جذبہ پیدا کرے اور عقائد کی ہمت کو بھڑکائے۔ اس کا مقصد ان میں سماجی انصاف اور سماجی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ اسے ان میں فیصلے کی طاقت، سائنسی سوچ، اور صحیح اور غلط کو تولنا ہوگا۔ تعلیم کا مقصد طالب علموں کو سماجی ذہن رکھنے والے انسان بنانا ہے جو اپنے معاملات خود سنبھال سکیں اور دوسروں کے ساتھ مناسب طریقے سے رہ سکیں۔ یہ انھیں اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کا مکمل ادراک کریں، کیونکہ ایک مکمل طور پر ترقی یافتہ شخص جمہوریت کی کامیابی میں اپنا حصہ ڈال سکتا ہے۔ پروفیسر کے جی سید الدین کا خیال تھا کہ تعلیم کو اس قدر پر مبنی ہونا چاہئے کہ اس سے کردار کی بنیادی خوبیاں پیدا ہوں جو جمہوری زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ یہ خوبیاں سماجی انصاف کے لئے جذبہ سماجی ضمیر کی جلدی، دوسروں میں دانشورانہ اور ثقافتی اختلافات کو برداشت کرنا، طلباء میں تنقیدی ذہانت کا ایک منظّم، کام سے محبت اور ملک سے گہری محبت کا جذبہ ہے۔

جمہوری تعلیم کے مقاصد

ثانوی تعلیمی کمیشن (۵۳-۱۹۵۲ء) نے جمہوری تعلیم کے مندرجہ ذیل مقاصد بیان کئے ہیں:

(۱) جمہوری شہریت کو فروغ دینے کے احکامات میں تعلیم کا مقصد واضح ہونا چاہئے۔ طلبا حق کو باطل سے امتیاز کرنے کے قابل ہونا چاہئے۔ اسی طرح تقریر اور تحریر کی وضاحت کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ آزادانہ گفتگو، قائل کرنے اور لوگوں کے درمیان خیالات کے بہتر تبادلے کے لئے ضروری ہے۔ تعلیم دوسروں کو سمجھنے اور ساتھ رہنے کا احساس بھی پیدا کرے۔ اس کے لئے کچھ اعلیٰ خوبیوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسے نظم و ضبط، تعاون اور رواداری۔ ایک جمہوری شہری محبّ وطن ہونا چاہئے اور وطن کے لئے خود کو قربان کرنے کے لئے پرعزم ہونا چاہئے۔ اس طرح ایک ذہن بچوں میں پیدا ہونا ہے۔ حب الوطنی کا مطلب کسی کے اپنے ملک تک محدود ہونا نہیں ہے۔ یہ پوری دنیا کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے کافی وسیع ہونا چاہئے بغیر کسی حد کے۔ طلباء میں بین الاقوامی تفہیم پیدا کی جائے تاکہ وہ انسانیت کا نعرہ بلند کرسکیں۔

(۲) پیشہ ورانہ کارکردگی میں بہتری: ہمارے تعلیمی نظام کا دوسرا مقصد پیشہ ورانہ کارکردگی کو بہتر بنانا ہے جس میں کام کرنے کے لئے صحیح رویہ پیدا کرنا، تکنیکی مہارتوں اور کارکردگی کو فروغ دینا شامل ہے۔

(۳) شخصیت کی ترقی: تیسرا مقصد شخصیت کی نشونما ہے جس میں پوشیدہ صلاحیتوں کی دریافت، ادب اور ثقافت میں بھرپور دلچسپیاں پیدا کرنا شامل ہیں جو کہ اظہار خیال کے لئے ضروری ہیں اور فن، ہنر، موسیقی، رقص اور مشاغل جیسے موضوعات کو عزت کی جگہ تفویض کرنا شامل ہیں۔

(۴) قیادت کی تربیت: موثر اور موثر قیادت کے بغیر جمہوریت آسانی سے نہیں چل سکتی۔ لہذا، یہ جمہوری تعلیم کے اہم مقاصد میں سے ایک ہے کہ اس میں ایسے لوگوں کی فوج تربیت دی جائے جو سماجی، سیاسی، معاشی، صنعتی یا ثقافتی شعبوں میں قیادت کی ذمہ داری سنبھال سکیں۔ اس کے علاوہ، انہیں دوسروں کی رہنمائی اور پیروی کرنے کے فن میں مہارت حاصل کرنے اور اپنے فرائض کو موثر انداز میں انجام دینے کی ضرورت ہے۔

جمہوری تعلیم میں نصاب

چونکہ جمہوری تعلیم بالکل زیادہ سے زیادہ انفرادی ترقی کی حمایت کرتی ہے، اس لئے ایک جمہوریت میں نصاب لچکدار ہونا چاہئے تاکہ یہ مختلف ذوق اور مزاج، قابلیت اور صلاحیتوں، طلباء کی ضروریات اور مفادات کو پورا کرسکے۔ یہ بچوں کی سوچ اور تخلیقی صلاحیتوں کو متحرک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ وسیع البنیاد ہونا چاہئے جس میں تجربات کی مجموعی تعداد شامل ہوتی ہے جو ایک طالب علم کو اسکول کے اندر اور اس سے آگے کی کئی طرح کی سرگرمیوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ یہ ضروری ہے کہ جمہوری نصاب مقامی حالات اور ماحولیاتی تقاضوں کو مدنظر رکھے۔ اس میں سماجی عنصر پر بہت زور دیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں، نصاب کو سماجی نقطہ نظر اور مزاج کے ساتھ مزاج ہونا چاہئے۔ جمہوری نصاب میں پیشہ ورانہ مہارت کو شامل کرنے کا انتظام ہونا چاہئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نصاب انضمام کے اصول کی بنیاد پر بنایا جائے۔ اسے ٹکڑوں میں تقسیم نہیں کیا جانا چاہئے۔ اس کے بعد کے مرحلے میں متنوع مفادات، رویوں، اہلیتوں اور طالب علموں کی صلاحیتوں کے مطابق ہونا چاہئے۔ مزید یہ کہ یہ لچکدار اور متحرک ہونا چاہئے جو بدلتے ہوئے سرکنڈوں اور اوقات کے مطابق ہو۔

جمہوری تعلیم میں تدریس کے طریقے

چونکہ جمہوری تعلیم ضرورت سے زیادہ میکانائزیشن اور سوچ پر زور دیتی ہے۔ یہ تدریس سیکھنے کے عمل میں طالب علم کی شرکت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ یہ سوچنے کی کافی گنجائش فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا، جمہوری رجحان بہت سارے جدید اور متحرک طریقوں کو جنم دیتا ہے جیسے کہ سیکھنا، ہوریسٹک، لیبارٹری اور تجرباتی طریقہ، پروجیکٹ کا طریقہ، ڈالٹن پلان، مونٹیسوری طریقہ، سماجی تکنیک، سیمینار، سمپوزیم، مباحثے، مسئلہ حل، گروپ ورک وغیرہ۔ مندرجہ بالا تکنیکوں میں، طالب علم کی فعال شرکت، پہل، انکوائری، مفادات، فیصلے کی طاقت اور آزاد سوچ پر زور دیا گیا ہے۔ استاد اب ہدایت نہیں دیتا وہ تعلیم کے گہرے سمندر میں علم کے وسیع ذخیرے کو دریافت کرنے کے لئے طلباء کی رہنمائی، ہدایت اور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

جمہوری تعلیم میں نظم وضبط

جمہوریت بچوں کی تعاون کی سرگرمیوں کے ذریعے نظم وضبط کو یقینی بناتی ہے۔ جمہوری اسکول میں نظم وضبط کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ حقیقی نظم وضبط کی دستاویزات جھوٹے جملوں پر مشتمل نہیں ہیں جیسے خاموش بیٹھو، خاموش رہو، بلکہ یہ عقلی نفس کے کنٹرول میں ہے۔ یہ خود نظم وضبط یا بے ساختہ نظم و ضبط ہے جو مختلف سرگرمیوں میں بچے کی شمولیت سے نکلتا ہے۔ یہ بیرونی نہیں، بلکہ اندرونی، اندرونی اور اس طرح خود ساختہ ہے۔ یہ اندر سے ایک نظم وضبط ہے اور محبت، ہمدردی، تعاون اور انسانی تعلقات کے ستونوں پر مبنی ہے۔ خود نظم وضبط جمہوری زندگی کا جوہر یا بنیادی ہے۔ جمہوری تعلیم میں نظم وضبط صحیح طریقے سے اور صحیح وقت پر صحیح کام کرنے کے یقین پر مبنی ہے۔ ادارے میں کئی خود مختار یونٹ ہیں جیسے طلباء یونین، طلباء کی کمیٹیاں، طلباء کی کونسلیں، پارلیمنٹ وغیرہ جو بچوں کی شرکت کو یقینی بناتی ہیں اور قواعد کی پابندی کی ضرورت کو سمجھنے میں ان کی مدد کرتی ہیں۔ مزید یہ کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اسکول کی مختلف سوسائٹیوں کے ممبر ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جن قوانین پر انھیں عمل کرنا ہے وہ ان کے اپنے ہیں اور ان کے اپنے فوائد کے لئے بنائے گئے ہیں۔ یہ احساس انھیں کسی بھی ناراضگی کے بغیر اسکول کے نظم وضبط کو خوشی سے قبول کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ واقعی آزاد ماحول میں خود نظم وضبط ہے جو جمہوریت کا نچوڑ ہے۔ حقیقی نظم و ضبط کے ظہور میں ضمیر کردار ادا کرتا ہے۔

جمہوری تعلیم میں استاد کا کردار

جمہوریت کی کامیابی کا زیادہ تر انحصار استاد پر ہوتا ہے۔ اس کا نقطہ نظر، رویہ اور طرز زندگی۔ اسے ماحول میں ہیرا پھیری کرنی ہے اور تمام مواقع سے استفادہ کرنا ہے تاکہ وہ (باقی صفحہ ۱۴ پر)

مولانا برکت اللہ کے بھوپال میں ماہ وسال

تحریر: عارف عزیز، بھوپال

عظیم مجاہد آزادی مولانا برکت اللہ بھوپالی کی سوانح ایک ایسے مرد آہن کے حالاتِ زندگی ہیں جس نے اپنی طویل زندگی دنیا کی سب سے بڑی طاقت اوراس کے جابرانہ نظام سے مقابلہ کرنے میں صرف کردی، شکست پر شکست کھائی لیکن ہمت وحوصلہ نہ ہارا، عمر بھر اپنے مقصد کے لئے دیوانہ وار جدوجہد کرتے رہے، مولانا برکت اللہ، بھوپال کے ایک معمولی پولیس ملازم مولوی شجاعت اللہ کے یہاں پیدا ہوئے، ان کے والد کا تعلق افغانستان سے تھا مولانا نے خود اپنی تحریروں میں افغانستان کے پٹھان خاندان اجھوخانی سے اپنا تعلق ظاہر کیا ہے۔ والد مغلوں کے آخری دور میں ہندوستان آئے، پہلے شمالی ہند کے کسی مقام بدایوں یا بانس بریلی میں قیام کیا، لیکن بدامنی اور شورش کو دیکھ کر وسط ہند کی ایک نسبتاً پرسکون مسلم ریاست بھوپال کا رخ کرلیا، شاکر حسین نکہت سہسوانی نے مولانا برکت اللہ کا وطن مالوف بدایوں اور خلافت تحریک کے لیڈر غازی عبدالرحمٰن صدیقی نے سہ ماہی 'اردو' جولائی ۱۹۴۱ء میں فتح پور تحریر کیا ہے، لیکن اس کی تردید مولانا کے مکتوب بنام علامہ ابوالنصر سید احمد بھوپالی سے ہوتی ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں: ''موچیوں کے محلّہ میں کمنی گروں کی مسجد کے پاس مدرسہ سلیمانیہ کو جاتے ہوئے حکیم قادر علی کا مکان تھا، ان کے فرزند کا نام صادق علی ہے، اس مکان میں ہم تولد ہوئے تھے''

مولوی شجاعت اللہ اپنی اہلیہ کے ہمراہ بھوپال آئے تو پہلے قصبہ سیہور کے ایک سرکاری مدرسہ میں ملازم ہوئے، بعد میں بھوپال منتقل ہونے پر انہیں کمنی گروں کے پاس حکیم قادر علی کے مکان میں رہنے کو جگہ مل گئی، برکت اللہ کی پیدائش کے وہ وقت فصیل شہر کے باہر چھاؤنی ولایتان کی مہندی والی پولیس چوکی میں محرر تھے، یہ مقام اب منگل وارہ روڈ پر 'رموزی مارکیٹ' کے نام سے موسوم ہے بعد ازاں اس چوکی کے قریب ہی مولوی صاحب نے اپنا مکان بنالیا تھا، یہ وہی جگہ ہے جہاں مولانا آزاد سینٹرل لائبریری کے مقابل برکت اللہ بھون تعمیر ہوا ہے، مولانا برکت اللہ کا بچپن اِسی محلّہ میں گزرا، والد خود عالم وفاضل تھے اس لئے ابتدائی تعلیم ان کی زیرنگرانی مسجد باجوریان میں ہوئی، جب ذرا بڑے ہوئے تو مدرسہ سلیمانیہ میں داخل ہوگئے، یہ مدرسہ اس وقت یونانی شفاخانہ کی موجودہ عمارت میں قائم تھا، سولہ سترہ سال کی عمر میں تعلیم کی تکمیل پر مولانا کی قابلیت وصلاحیت کی بنا پر اسی مدرسہ میں استاد مقرر ہوگئے، ان کا شمار ذہین طالب علموں میں ہوتا تھا اور زیادہ وقت شہر کی مختلف مسجدوں میں استادوں سے سبق لینے میں صرف ہوجاتا تھا، علم سے اس گہرے شغف کا اندازہ لگا کر مولانا کے ایک ساتھی شاہ صاحب نے جن کی بعد میں اُن کی ہمشیرہ سے شادی ہوئی، مشورہ دیا کہ وہ قرآن مجید حفظ کرلیں، مولانا برکت اللہ نے اپنے گھر کے قریب واقع مسجد بڑھ والی میں شب وروز صرف کرکے کسی استاد کے بغیر صرف چھ ماہ میں قرآن پاک حفظ کرلیا اور اسی سال رمضان میں تراویح کے دوران سنایا تو سب حیران رہ گئے۔

گلابی اردو کے موجد ملا رموزی رقم طراز ہیں

''مطالعہ کے شوق کا ایک واقعہ میرے والد صاحب قبلہ (محمد صالح) سناتے تو علامہ کی یاد سے ان کے آنسو جاری ہوجاتے تھے، والد صاحب نے بتایا کہ علامہ کے دونوں ہاتھوں کی کہنیوں کے نیچے گوشت کی دو چھوٹی چھوٹی گیندیں بن گئی تھیں، شب کے مطالعہ میں جب علامہ کو نیند آتی تو مطالعہ کی فکر اور شوق سے علامہ اپنی کہنی کو موتی محل کی چاندنی کے پختہ فرش پر اس زور سے رگڑ دیتے تھے کہ بعض اوقات خون نکل آتا اور اس کی سوزش سے علامہ کی نیند کا غلبہ کافور ہوجاتا تھا چونکہ وہ عرصہ تک اس طرح کہنیوں کو زخمی کرکے مطالعہ کرتے رہے، اس لئے کہنیوں کا گوشت مردہ ہوکر گیندوں کی شکل میں ابھر آیا تھا، میرے والد صاحب علامہ کی تحصیلِ علم میں مستعدی کو دہراتے ہوئے بار بار فرماتے تھے کہ پڑھو تو برکت کی طرح پڑھو ورنہ چھوڑ دو۔ (ملا رموزی 'مشاہیر بھوپال' سے)

علامہ قاضی وجدی الحسینی کے بقول: ''مولانا کا یہ عہدِ شباب تھا، جہاں پہنچ کر ہر نوجوان یا تو لذت پرستی میں گرفتار ہوکر دنیا ومافیہا سے بیگانہ ہوجاتا ہے یا اگر صاحبِ عزت وہمت ہے تو شہرت پسندی اور جاہ طلبی کے پیچھے دوڑتا ہے لیکن مولانا کی زندگی اس سے دور نظر آتی ہے۔'' (مولانا برکت اللہ بھوپالی، صفحہ ۷۶)

اسی اثنا میں مولانا برکت اللہ کی ملاقات عالم اسلام کی مشہور شخصیت جمال الدین افغانی سے بھوپال میں ہوئی تو ان کے انقلاب آفریں نظریات کے علاوہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی روزگار زمانہ تصنیف 'حجۃ اللہ البالغہ' کے مطالعہ نے مولانا برکت اللہ کی فکر ونظر پر گہرا اثر ڈالا اور ان کے اندر کا سویا ہوا انقلابی جاگ گیا، جب تک وہ بھوپال میں رہے، انقلاب کی اس آگ نے انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیا علامہ یوسف قیصر تحریر کرتے ہیں:

''میرے استاد حافظ غلام احمد فروغی، جہانگیریہ اسکول کے ہیڈ مولوی تھے ابراہیم پورہ میں ان کی کتابوں کی ایک چھوٹی سی دوکان بھی تھی وہ کہا کرتے تھے کہ لمبا کرتا، پاجامہ اور بعض وقت لنگی کرتے پر صدری، منڈھے ہوئے سر پر سفید عمامہ، معمولی داڑھی، دوکان پر آتے، اور آتے ہی عمامہ سر سے اتار ڈالتے اور گفتگو شروع کردیتے، پہلے تو کچھ دیر رسمی گفتگو کرتے اور اسی گفتگو میں اگر کوئی اچھا موضوع نکل آتا تو ان کی تقریر شروع ہوجاتی، دو چار طالب علم جو اس وقت مولوی فروغی سے پڑھنے آتے تھے اور کچھ لوگ بطور تفریح بیٹھ جاتے اور تقریر سنا کرتے تھے، کبھی کوئی کسی بات پر اعتراض کردیتا تو اس پر مولوی برکت اللہ کو غصہ آجاتا اور بلند آواز سے بولنا شروع کردیتے، مغرب تک بحث جاری رہتی، نماز مغرب کی اذان سنتے ہی پیر جی والی مسجد میں چلے جاتے۔ کبھی کسی راہ گیر دوست کو آواز دیکر بلا لیتے اور ان سے گفتگو کرتے رہتے۔ مولوی عبدالقادر ناظم کی زبان سے اکثر سنا ہے کہ اگر کبھی ہندوستان کا نظم ونسق زیر بحث آ گیا تو مولوی برکت اللہ کی پیشانی پر سینکڑوں شکنیں پڑجاتیں، وہ اپنے جذبات میں اس قدر کھوجاتے اور اس موضوع پر اس قدر بلند آواز سے گفتگو کرتے کہ راہ گیر تک کھڑے ہوجاتے اور ان کی صورت تکتے رہتے'' (ہفت روزہ 'ایاز' بھوپال نمبر صفحہ ۳۸)

مشہور ہے کہ مولانا برکت اللہ کے نام کہیں سے ایک ٹیلی گرام آیا، انگریزی میں ہونے کی وجہ سے اس وقت اسے سمجھنے کیلئے کافی دوڑ دھوپ کرنا پڑی یہیں سے مولانا کو انگریزی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا، اس میں عیسائی مشنریوں کے مقابلہ کا جذبہ بھی شامل ہوگیا لٰہذا بھوپال کی پابند زندگی کو خیرباد کہہ کر ۱۸۸۳ء کی ایک شام پر اسرار طور پر اچانک وہ بھوپال سے غائب ہوگئے، اس کی اطلاع نہ ہمشیرہ کو دی، نہ خصوصی احباب کو، اس ناگہانی گمشدگی پر ان کی تلاش بھی ہوئی لیکن سراغ نہیں مل سکا۔

علامہ یوسف قیصر کا خیال ہے کہ نواب صدیق حسن خاں جو ایک مشہور عالم وفاضل اور سینکڑوں تصانیف کے مالک تھے نواب صاحب کے نظریات کی وجہ سے انگریز حکومت نے ان کے خطاب واعزاز چھین کر مرتے دم تک ایک نظر بند قیدی کی طرح رکھا، مولوی برکت اللہ کے زمانہ میں بھی ظلم واستبداد کا یہی حال تھا اس لئے اکثر لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کا بھی بھوپال سے اخراج کردیا گیا ہو تو اِس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

مولانا برکت اللہ بھوپالی کا ریاست بھوپال سے اخراج ہوا ہو یا وہ ملک کی آزادی کیلئے عملی جدوجہد میں شامل ہونے کے لئے یہاں سے گئے ہوں، اِس پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے، علامہ قاضی وجدی الحسینی کے الفاظ میں مولانا برکت اللہ کی کتابِ زندگی کا ایک اہم باب انگریزی پڑھنے کا شوق ہے جو ان کے دل میں کیوں پیدا ہوا، اس بارے میں ایک حکایت یہ مشہور ہے کہ مولانا برکت اللہ کے نام کہیں سے ایک ٹیلی گرام آیا، انگریزی میں ہونے کی وجہ سے اس وقت اسے سمجھنے کے لئے کافی دوڑ دھوپ کرنا پڑی، یہیں سے مولانا کو انگریزی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا، اس میں عیسائی مشنریوں کے مقابلہ کا جذبہ بھی شامل ہوگیا لہٰذا بھوپال کی پابند زندگی کو خیرباد کہہ کر ۱۸۸۳ء کی ایک شام پراسرار طور پر اچانک وہ بھوپال سے غائب ہوگئے، اس کی اطلاع نہ ہمشیرہ کودی، نہ خصوصی احباب کو، اس ناگہانی گمشدگی پر ان کی تلاش بھی ہوئی لیکن سراغ نہیں مل سکا۔

مولانا کی حیات کا باقی ماندہ حصہ میرا موضوع نہیں، ایک دو واقعات ضرور ایسے ہیں جو بھوپال سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے یہاں ان کا ذکر ضروری ہے۔

بھوپال کے ایک نوجوان جو بعد میں رفیق روسی کے نام سے مشہور ہوئے ایک وفد کے ساتھ ہجرت کرکے تاشقند ہوتے ہوئے ماسکو پہنچے وہاں ان کی مولانا برکت اللہ سے ملاقات ہوئی تو مسرور ہوکر فرمایا ''تیس سال بعد آج میں اپنے ہموطن کی صورت دیکھ رہا ہوں''، بقول رفیق روسی مرحوم اپنے دوست واحباب کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے مولانا کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور پرانی یادیں تازہ ہوگئیں تھیں۔ ایسی ہی یادوں کا اعادہ مولانا برکت اللہ نے منشی شاکر حسین نکہت کے نام مکتوب میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔

''آپ کا محبت نامہ چوالیس سال بعد زوریخ میں ملا، چونکہ خارق العادہ واقعہ تھا، بیحد واندازہ خوشی ہوئی، دنیا کے بڑے بڑے لوگ دیکھے مگر بھوپال کے سیدھے سادے لوگ چھوٹے چھوٹے مکان اور تنگ تنگ گلیاں اب تک محبوب ومرغوبِ خاطر ہیں، آپ نے ان کو یاد دلا کر شاد فرمایا'' اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک بیقرار روح کی طرح پوری دنیا کے چکر کاٹنے والے انقلابی مولانا برکت اللہ بھوپالی کا دل اپنے وطن بھوپال کی یاد سے کبھی خالی نہیں رہا، برکت اللہ یونیورسٹی نے اس محبّ وطن کی یاد میں اعلیٰ سطح کی کانفرنس منعقد کرکے اپنی نہایت خوشگوار ذمہ داری کو انجام دیا ہے، جس کے لئے یونیورسٹی اور اس کا شعبہ عربی قابل مبارکباد ہے۔ ▫▫

مولانا برکت اللہ بھوپالیؒ کی زندگی کا مشن

ہندوستان کے اس نامور محبّ وطن کی کہانی وسط ہند کے چھوٹے سے قصبے سیہور سے شروع ہوتی ہے جہاں ان کے والد مولوی شجاعت اللہ خاں ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں تباہ وبرباد ہوکر یوپی کے بدایوں (کچھ تذکرہ کاروں کے مطابق فتح پور ہسوہ) سے ہجرت کرکے سیہور پہنچے اور ایک مدرسہ میں معلّمی اختیار کی۔ بھوپال کی حکمراں سکندر جہاں بیگم نے جب ریاست میں تعلیم کے فروغ کے لیے مؤثر اقدامات کیے تو مولوی شجاعت اللہ خاں اپنی اہلیہ کے ساتھ بھوپال آگئے، جہاں ایک سرکاری مدرسہ میں ملازمت مل گئی اور شہر کی ایک غریب بستی محلّہ موچیان میں رہنے کے لیے چھوٹا سا مکان بھی۔ ۱۸۶۲ء میں جب برکت اللہ نے مدرسہ سے فراغت حاصل کی تو اپنے ہم سنوں سے بہت آگے نکل چکے تھے۔ بڑے بڑے سینئر اساتذہ اور علماء ان کی لیاقت اور صلاحیت کے معترف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سترہ سال کی عمر میں باقاعدہ مدرّس ہوگئے۔ لیکن وہ زیادہ دن تک اس زندگی سے بندھ کر نہیں رہ سکے۔ ملک پر انگریز قوم کے تسلط اور غدر کے دوران ہندوستانیوں پر انگریزوں کے مظالم کی کہانیاں بڑے بوڑھوں سے سن کر بچپن سے ہی ان کے دل میں انگریزوں کے تئیں نفرت کا شدید جذبہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس زمانے میں بھوپال آزاد ریاست ہوتے ہوئے بھی انگریزوں کے اثر سے آزاد نہیں تھا۔ عیسائی مشنریاں بھوپال میں کھل کر نصرانیت کی تبلیغ کررہی تھیں اور مسلمانوں کو ان کے سامنے لب کھولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ انگریز حکومت پورے ہندوستان میں اسکول کالج قائم کرکے نئی تعلیم رائج کرکے اپنا نظام ہندوستان پر مسلط کررہی تھی۔ اس ماحول میں جب عیسائیت اور کفر والحاد کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور ساتھی علماء نے دیوبند کا مدرسہ قائم کیا تھا اور پورے ہندوستان میں دینی مدارس کا جال بچھا دینے کی کوششیں جاری تھیں تو مولانا برکت اللہ بھوپالی کے انقلابی ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اسلام کی حقانیت پر حملے کرنے والی سفید فام قوم کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کی زبان اور ان کے علوم سیکھنا ضروری ہے۔ وہ چند برسوں تک بھوپال میں انگریزی زبان سیکھنے کی کوشش کرتے رہے اور پھر اس عالم شباب میں جب عام نوجوان زندگی کی رنگینیوں کو پانے کی کوشش کرتے ہیں، انھوں نے اپنی زندگی اس عظیم الشان مشن کے حوالے کردی جس میں ان کی حیات کا ایک ایک لمحہ صرف ہوگیا۔ اسی دوران ان کی ملاقات دنیائے اسلام کے مشہور انقلابی عالم اور مفکر مولانا جمال الدین افغانی سے ہوئی۔ وہ مصر میں انگریزوں کے خلاف عوام کی جدوجہد کی حمایت میں قید وبند کی صعوبتوں سے گزر چکے تھے۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی پر ان کے خیالات اور نظریات کا گہرا اثر پڑا۔

عالمی خبریں

سری لنکا میں کاغذ کی قلت، ہزاروں اسکولوں کے سالانہ امتحانات منسوخ

سری لنکا میں پرنٹنگ پیپر نہ ہونے کے باعث ہزاروں اسکولوں کے امتحانات منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔ فرانسیسی خبر رساں ادارے اے ایف پی نے سری لنکا کے حکام کے حوالے سے بتایا ہے سری لنکا کے پاس درآمدات کے لیے ڈالرز کی کمی کی وجہ سے یہ مسئلہ پیدا ہوا۔ سری لنکا کے مغربی صوبے کے ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کا کہنا ہے کہ اسکولوں کے پرنسپل امتحانات نہیں لے پا رہے کیونکہ چھاپہ خانے ضروری کاغذ اور سیاہی درآمد کرنے کے لیے زرمبادلہ کی کمی کا شکار ہیں۔ حکام کے مطابق پرنٹنگ کے کاغذ کی قلت کی وجہ سے ملک بھر کے ۴۵ لاکھ طلبہ میں دو تہائی متاثر ہوں گے۔ واضح رہے کہ سری لنکا سنگین معاشی مسائل کا سامنا کررہا ہے اور اس کے پاس زرمبادلہ کے ذخائر نہ ہونے کے برابر ہیں، جس کی وجہ سے ملک کے لیے کھانے پینے کی بنیادی اشیا، ایندھن اور دوائیوں جیسی اشیا کا حصول ایک چیلنج بن گیا ہے۔

اسرائیلی وزیراعظم ہندستان کا پہلا سرکاری دورہ کریں گے

ہندستان اور اسرائیل کے درمیان تیس سالہ سفارتی تعلقات مکمل ہونے کے موقع پر اسرائیلی وزیراعظم نفتالی بینیٹ اپریل میں انڈیا کا دورہ کریں گے۔ اسرائیلی اخبار 'ہاریٹز' کے مطابق اکتوبر میں اقوام متحدہ ماحولیاتی کانفرنس کے دوران اسرائیلی وزیراعظم سے پہلی ملاقات میں وزیراعظم نریندر مودی نے انہیں انڈیا کے سرکاری دورے کی دعوت دی تھی۔ وزیراعظم نفتالی بینیٹ کے دفتر سے جاری کردہ بیان میں بتایا گیا ہے کہ دورے کا مقصد دونوں ممالک کے درمیان اتحاد کو مضبوط کرنا، گہرے دوطرفہ تعلقات استوار کرنا اور معاشی، تجارتی وٹیکنالوجی کے شعبوں میں تعاون پر بات چیت کرنا ہے۔ دورے کے دوران وزیراعظم نفتالی بینیٹ کی انڈین اعلیٰ عہدیداروں اور مقامی یہودی کمیونٹی کے نمائندوں سے ملاقات بھی متوقع ہے۔ نفتالی بینیٹ نے انڈیا اور اسرائیل کے درمیان تعلقات دوبارہ بحال کرنے کی خواہش کو سراہا انھوں نے کہا کہ انڈین اور یہودی دو منفرد ثقافتوں کے درمیان گہرے تعلقات قائم ہیں، جو احترام اور معنی خیز اشتراک پر منحصر ہیں۔

ہولی کے تہوار پر ڈانس کرتے نوجوان نے اپنے ہی سینے میں خنجر گھونپ دیا

دنیا میں بہت سے لوگوں کو رقص کا شوق ہوتا ہے اور وہ اسے سیکھنے کے لیے کئی جتن کرتے ہیں اور اگر انڈیا کی بات کی جائے تو وہاں بھی کچھ یہی صورتحال ہے۔ تاہم کبھی کبھی یہ شوق انسان کو مہنگا بھی پڑ سکتا ہے اور کچھ ایسا ہی انڈیا کے شہر اندور میں ہوا جب ایک نوجوان نے ہولی کے تہوار کی خوشی میں ڈانس کرتے ہوئے اپنے ہی سینے میں خنجر مار کر خود کو ہلاک کر دیا۔ انڈین نیوز چینل این ڈی ٹی وی کے مطابق ۳۸ سالہ نوجوان گوپال سولنکی نے اپنے دوستوں کے ساتھ ڈانس کرتے ہوئے غلطی سے خود کو زخمی کرلیا۔ پولیس کے مطابق نوجوان نشے کی حالت میں تھا اور ڈانس کرتے ہوئے خنجر اس کی ہاتھ میں تھا اور ایک اسٹنٹ کرنے کی کوشش میں خنجر خود کو مارا۔ اس واقعے کی ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہے جس میں یہ سارا منظر دیکھا جاسکتا ہے۔ ویڈیو میں ایک گانے کی دھن پر گوپال کو اپنے دوستوں کے ساتھ ڈانس کرتے دیکھا جاسکتا ہے جہاں ایک موقع پر وہ اپنے ہی سینے پر خنجر سے چار مرتبہ وار کرتا نظر آتا ہے۔

خطبہ جمعہ میں صلاحیت وصالحیت کی ضرورت

تحریر: مولانا ندیم احمد انصاری

تمام دنوں کا سردار جمعہ ہے، اس دن گنہ گار سے گنہ گار مسلمان زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ لوگ جو اور دنوں میں فرائض تک کا اہتمام نہیں کرتے، وہ بھی اس مبارک دن میں کچھ نہ کچھ نفل کام کر گزرتے ہیں۔ جماعت میں غیر حاضر رہنے والے بھی جمعے کے دن نہادھو کر اور خوش بو لگا کر جلد مسجد پہنچ جاتے ہیں۔ اسی لیے اس موقع پر وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری ہوا، جس کا سرا خیر القرون سے ملتا ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں اس میں بڑی بے اعتدالی در آئی، بعضوں نے اس وعظ و تقریر کو بدعت کہا تو بعض فرض و واجب کی طرح لازم وضروری قرار دینے لگے۔ اکثر مقامات پر جمعے کا بیان اب ایک رسم بن کر رہ گیا ہے، جب کہ جمعے کے بیان میں مسلمانوں کو وہ طبقہ آتا ہے جو پورے ہفتے کسی اور وقت میں خاصی تگ و دو کے بعد بھی نہیں آسکتا، اس لیے ہونا یہ چاہیے کہ کسی محقق عالم دین کو وعظ ونصیحت کے لیے منتخب کیا جائے جس میں صلاحیت بھی ہو اور صالحیت بھی۔ جو قدیم وجدید علوم کا سنگم ہو اور کسی صاحبِ نسبت بزرگ کا تربیت یافتہ بھی۔ کاش کہ ذمہ داران اس مسئلے کی نزاکت کو سمجھتے کہ مسجد کے منبر سے پورے محلے کی اصلاح بھی ہو سکتی ہے اور درگت بھی۔ حال یہ ہے کہ واعظین غیر معتبر روایات، سُنی سُنائی باتیں اور قصّے کہانیاں سنا کر طے شدہ وقت میں اپنی بات کہہ لینے کو کافی سمجھنے لگے۔ بیان سے ایک منٹ پہلے بھی ان سے پوچھیے کہ آج کس عنوان پر بات ہوگی، تو کہیں گے کہ 'جو اللہ بلوائے'۔ بیان کے لیے کوئی تیاری کی جاتی ہے نہ مطالعہ۔ بعض جگہوں پر بیان کا حاصل صرف چندہ وصول کرنا سمجھا جانے لگا تو بعض جگہ غیر ضروری فروعی باتیں اصل موضوع ٹھہریں۔ الا ماشاء اللہ

ضرورت اور فوائد

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آج کل یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ جمعہ کے دن امام صاحب خطبے سے پہلے اردو وغیرہ میں تقریر کرتے ہیں، اس درمیان جو لوگ آتے ہیں، ان کو نہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا موقع ملتا ہے، نہ قرآن کی تلاوت کی جاسکتی ہے، نہ سورہ کہف پڑھنے کا موقع ملتا ہے اور نہ توبہ واستغفار کا۔ اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا امتِ مسلمہ کا فریضۂ منصبی ہے اور اس کی ایک صورت وعظ و بیان بھی ہے۔ جمعہ کے دن لوگ جس یکسوئی کے ساتھ دینی باتیں سنتے ہیں، شاید ہی کسی اور موقع پر سنتے ہوں۔ پھر مسجد کا پاکیزہ ماحول اور خود سامعین کے پاکی اور طہارت کی حالت میں ہونے کا بھی اثر پڑتا ہے اور ممکن ہے کہ کچھ اہلِ علم حضرات ایسے ہوں جن کو دینی احکام ومسائل سننے کی ضرورت نہ ہو بلکہ ان کو پہلے سے معلوم ومحفوظ ہوں اور ان کو تقریر و وعظ سے گرانی ہوتی ہو، لیکن مسلمانوں کی اکثریت ایسی نہیں بلکہ وہ محتاج ہیں کہ ان کو احکام و مسائل بتائے جائیں۔ ان کو اس سے نفع بھی ہوتا ہے۔ عموماً اپنے دنیوی مشاغل میں مسلمان اس قدر پھنسے ہوئے ہیں کہ ان کو دینی علم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ جمعہ میں ان کو موقع مل جاتا ہے، تو ان کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ اس لیے یہ بہت ہی مفید سلسلہ ہے اور اس سے خطبے کے مقصد کی بھی تکمیل ہوتی ہے۔ خطبہ ذکر بھی ہے اور تذکیر بھی۔ عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے عربی خطبے سے ذکر کا مقصد تو پورا ہو جاتا ہے، لیکن تذکیر کا مقصد حاصل نہیں ہو پاتا۔ خطبے سے پہلے کا بیان اس کی تلافی کر دیتا ہے۔ اس لیے اس میں کچھ حرج نہیں۔ فی الجملہ اس کا ثبوت حدیث سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی ہے۔ کتبِ سیرت کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ اُحد (جس میں عبداللہ بن ابی کا نفاق پوری طرح واضح ہو کر آگیا) سے پہلے تک رسول اللہ ﷺ کے خطبے کے پہلے کچھ دیر اس کی گفتگو ہوا کرتی تھی، جس میں وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی تلقین کرتا اور حضرت عمرؓ کی اجازت ومشورے سے حضرت تمیم داریؓ اذانِ جمعہ سے قبل جمعے کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ شاہانِ بنوامیہ کے زمانے میں خطبے سے پہلے وہ کچھ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ جہاں تک تحیۃ المسجد کی بات ہے تو یہ اس بیان کے درمیان بھی پڑھی جاسکتی ہے اور توبہ واستغفار کے لیے بھی اور مواقع ہیں۔ اور جہاں تک سورہ کہف پڑھنے کی بات ہے تو اس کا اذانِ جمعہ کے بعد ہی پڑھنا ضروری نہیں، اس سے پہلے یا جمعے کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں، کیوں کہ احادیث میں مطلقاً جمعے کے دن سورہ کہف پڑھنے کی ترغیب آئی ہے، دن کے کسی خاص وقت کی تحدید منقول نہیں۔

اصولی بحث

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس پر اصولی بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جمعے کے خطبے کی اذان سے پہلے بیان کرنا یا خطبے کا ترجمہ سنانا تذکیر ہے اور آیت وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ [الذاریات] اپنے عموم سے ہر وقت سے تذکیر کی اجازت دیتی ہے۔ بجز ان مواقع کے جو مستقل دلیل سے ممنوع ہیں اور درج ذیل قیود اس میں قابل اضافہ ہیں: (۱) ایک یہ کہ عوام الناس اس کو ہمیشہ کے لیے لازم نہ سمجھیں، دلیل اس کی مشہور ہے (۲) دوسرے یہ کہ یہ تذکر اس وقت منبر سے دور ہو، تا کہ ہیئتِ خطبہ کا ایہام نہ ہو۔ دلیل اس کی مجوزین تکرار جماعت کی یہ تقیید ہے کہ عدول عن المحراب ہو۔ پس ان سب قیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی امر جواز سے مانع نہیں، لہٰذا جواز کا حکم کیا جائے گا اور کراہت کی کوئی وجہ نہیں اور اس جواز کی تائید شیخین کی احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ یہ احادیث اس میں نص ہیں کہ اس تذکیر کے وقت میں (جو کہ خطبہ نہ تھی، جس کا قرینہ ہے کہ یہ تذکیر بعد فراغ خطبہ تھی اور نیز منبر پر نہ تھی اور اس کے بعد عود الی المنبر نہیں ہوا) اور خطبے کے وقت میں کوئی فصل نہ تھا، جس سے معلوم ہوا کہ ان تذکیر اور خطبے کے وقت میں فصل نہ ہونا مانع جواز نہیں اور تقدیم وتاخیر کو اس میں کوئی دخل نہیں، پس اس کا جواز سنت سے بھی ثابت ہو گیا۔

جمعے کا بیان کس وقت ہو؟

خطبہ جمعہ سے قبل وعظ کہنا جائز ہے، اس میں کوئی وجہ ممانعت کی نہیں ہے۔ اگر خطیب اذانِ خطبہ سے پہلے مقامی زبان میں پندرہ بیس منٹ کچھ ضروری باتیں بیان کر دے، اس کے بعد اذان کہلوائے اور فرض کی ادائیگی کے بقدر مختصر طور پر عربی میں خطبہ پڑھ لے (اور خطبے کے لیے پانچ سات منٹ کافی ہوں گے) تو یہ صورت بہتر ہے۔ بس اتنا خیال رہنا چاہیے کہ یہ تقریر نمازِ جمعہ کے آداب وسنن میں سے نہیں، مستقل چیز ہے۔ جس وقت میں سامعین کے لیے انفع ہو، اس وقت کا تعیّن کر لیا جائے۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں: رہا خصوصیت کے ساتھ نمازِ جمعہ اور خطبے سے قبل یا بعد نمازِ جمعہ (وعظ) سو اس کے متعلق انکار کسی جگہ وارد نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ جس وقت سہولت سے آدمی جمع ہو جائیں یا جس وقت ضرورت پیش آئے، اسی وقت اس تبلیغی فریضہ کو ادا کرنا چاہیے۔ جمعے کا دن اجتماعِ مسلمین کا دن ہوتا ہے، اس لیے اس دن کو اختیار کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں بلکہ علامہ ابن قیمؒ نے 'زاد المعاد' میں تحریر کیا ہے کہ یوم جمعہ تذکیر اور وعظ کا دن ہے۔ اس لیے اگر جمعے کے روز مخصوص طور پر قبلِ خطبہ یا بعد نماز بلا دلیلِ شرعی وعظ کو واجب نہیں کہا جاتا تو بدعت کہنے کی بھی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ محمودیہ)

'موضوعاتِ کبیر' کی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت تمیم داریؓ کو بار بار درخواست کرنے پر جمعے کی نماز سے پہلے وعظ کی اجازت دے دی تھی اور وہ وعظ فرمایا کرتے تھے اور خروجِ خطیب پر وعظ ختم کر دیا کرتے تھے۔ اگر بعد نمازِ جمعہ مجمع ٹھہر جایا کرے تو اس وقت وعظ کہہ دیا جائے ورنہ جمعے سے قبل وعظ کہہ دیا جائے اور سامعین آکر شریکِ وعظ ہوتے رہیں اور خطبے سے دس منٹ قبل وعظ ختم کر دیا جائے اور سب سنتیں پڑھ لیا کریں۔ اس صورت سے سنتوں میں بھی خلل نہیں آئے گا اور وعظ بھی ہو جایا کرے گا، یا سنتیں مکان پر پڑھ کر آئیں تو زیادہ بہتر ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: جمعہ وعیدین میں مقررہ وقت سے اتنی تاخیر کرنا کہ نمازیوں کو اکتاہٹ ہونے لگے، درست نہیں ہے۔ ائمہ خطبا کو اپنے مقتدیوں کا لحاظ رکھنا چاہیے، اور اپنے طرزِ عمل سے انھیں اکتاہٹ اور ناگواری میں مبتلا نہ کرنا چاہیے، اور خاص کر اس تاخیر کی عادت بنالینا تو بہت نقصان دہ ہے۔ اور جمعہ میں دستور یہ ہونا چاہیے کہ خطبے سے پانچ دس منٹ قبل تقریر ختم کر دیں تا کہ لوگ بہ آسانی سنتیں ادا کر سکیں۔

خطیب اور مقرر الگ الگ ہونا

عربی خطبے اور اردو بیان میں واضح فرق کرنے کے لیے علما نے مشورہ دیا ہے کہ خطیب اور مقرر الگ الگ ہو۔ حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری تحریر فرماتے ہیں: خطبے سے پہلے بیان کرنا بدون حرج کے جائز ہے، مگر اس کو لازم قرار نہ دیا جائے۔ کبھی کبھی ترک بھی کر دینا چاہیے، تا کہ لوگ ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ بیان مختصر ہو اور ایسے وقت ختم کر دیا جائے کہ خطبے کی اذان سے پہلے چار سنتیں پڑھی جائیں، پھر خطبہ جمعہ بھی مختصر ہونا چاہیے تا کہ لوگ اکتا نہ جائیں اور سنت بھی یہی ہے کہ خطبہ مختصر ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ خطیب اور مقرر دونوں الگ ہوں۔

مفتی عزیز الرحمٰن فتح پوری صاحب لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص مستقل امام ہو اور جمعہ بھی پڑھائے تو درست ہے۔ امام تقریر نہ کر سکتا ہو یا دوسرا کوئی اس سے بہتر میسّر ہو تو تقریر کے لیے دوسرے کو بھی مقرر کر سکتے ہیں۔ رہا مستقل امام جمعہ کا معاملہ تو جہاں اس کی ضرورت ہو یا اس انتظام کی بنا پر زیادہ نمازیوں کے آنے کی امید ہو تو الگ سے امامِ جمعہ مقرر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، اور ضرورت ہو یا دینی لحاظ سے مفید ہو تو تقریر کے لیے بھی کسی باصلاحیت عالم کو مستقل مقرر کر سکتے ہیں۔ اس انتظام سے امام کی کوئی حق تلفی نہ ہوگی۔ یہ انتظامی معاملہ ہے۔ ضرورت وافادیت کی بنیاد پر جیسا بھی نظم کیا جائے صحیح ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اگر ایک ہی شخص پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ بھی پڑھاتا ہے تو غیر اولیٰ ہے۔ شرعاً یہ بھی درست ہے، بلکہ اصل یہی طریقہ ہے، جب کہ ضرورت یا افادیت کے مدِ نظر دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے تو حرج اس میں بھی نہیں ہے۔ □□

نسیمِ فیض

مولانا مفتی نسیم احمد فریدی

بہار آگیں مرے دل کی کلی معلوم ہوتی ہے ۔۔۔ نسیمِ فیض طیبہ سے چلی معلوم ہوتی ہے
لباسِ فقر میں شانِ نبیؐ معلوم ہوتی ہے ۔۔۔ قبائے نور، کملی میں چھپی معلوم ہوتی ہے
ترے ہر فعل میں معراج مضمر ہے ترقی کی ۔۔۔ ترے ہر قول میں، اِک زندگی معلوم ہوتی ہے
نگاہِ ناز کے صدقے، اضافہ ہو عنایت میں ۔۔۔ مرے دردِ جگر میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے
مداوا کے لیے پھر اذن دے توحید والوں کو ۔۔۔ مزاجِ کفر میں کچھ برہمی معلوم ہوتی ہے
فراق و ہجر بھی آخر گوارا ہو گیا دل کو ۔۔۔ مجھے ان کی خوشی اپنی خوشی معلوم ہوتی ہے
چھپا سکتا نہیں سوزِ دروں شیدا محمدؐ کا ۔۔۔ کہ زردی رُخ پہ آنکھوں میں نمی معلوم ہوتی ہے
خدا کے واسطے بہرِ تسلی اب تو آجاؤ ۔۔۔ مریضِ غم کی حالت آخری معلوم ہوتی ہے
سلامِ شوق کر اے دل کہ یہ باب السلام آیا ۔۔۔ یہاں دنیا مرادوں کی چھپی معلوم ہوتی ہے
فرشتوں نے کہا جب 'ماتقول'، روح بول اُٹھی ۔۔۔ کہ یہ تو ہو بہو شکلِ نبیؐ معلوم ہوتی ہے
فریدی خلد میں روحِ شہیدی مجھ سے کہتی ہے
کہ تیری نعت مقبولِ نبیؐ معلوم ہوتی ہے

بچوں کا گوشہ

جنگل کی شیرنی

فراغ روہوی

کیا ہرنی کیا لومڑی سبھی منائیں خیر
جنگل میں جب شیرنی کرنے نکلی سیر
آپس میں جب لڑ پڑے دو چوہے نادان
بلّی آکر کر گئی دونوں کا کلیان
دوڑ رہا تھا دیر سے وادی میں خرگوش
ہاتھی دیکھ کے کھو دیا اس نے اپنا ہوش
بچو! مارے خوف کے مرغی اُٹھی کانپ
پر جب آیا نیولا، جھٹ پٹ بھاگا سانپ
منہ پر اس کے ایک دن ایسی ماری لات
یاد دلادی سانڈ کو گھوڑے نے اوقات
مکاروں کی لسٹ میں درجن بھر تھے نام
پھر بھی اُن میں لومڑی جیت گئی انعام

گوشۂ خواتین

اولاد کی تربیت: ایک اہم ذمہ داری (۲)

بچوں کو توحید کی تعلیم دیں

اولاد کی تربیت کے لئے والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو سب سے پہلے توحید کی تعلیم دیں۔ بچوں کی شروع سے ہی ایسی اسلامی تربیت کریں کہ وہ زندگی کی آخری سانس تک موحد رہیں۔ ان کا عقیدۂ توحید زندگی کے کسی موڑ پر نہ لڑکھڑائے۔ بچوں کے ذہن پر ایامِ طفولت سے یہ نقش کر دیں کہ جس ذات کی ہم عبادت کرتے ہیں، اس کا نام اللہ ہے، وہ اپنی ذات وصفات میں منفرد ہے، اس جیسی کوئی ذات نہیں، اس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں، ساری کائنات کا نفع ونقصان، موت وحیات، بیماری وشفا، اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ وہ غنی ہے، اور ہم سب اس کے محتاج ہیں۔ جس وقت بچہ بولنا سیکھے سب سے پہلے اسے اپنے خالق ومالک اللہ کا مبارک نام سکھائے، پھر کلمہ توحید (لا الٰہ الا اللہ) سکھائے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے بچوں کی زبان سب سے پہلے لا الٰہ الا اللہ سے کھلواؤ۔ بچہ جب تھوڑا سا سمجھنے لگے تو اس کی سمجھ کے مطابق اسے حلال وحرام کی تعلیم دیں۔ (حاکم) اللہ کی وحدانیت کی تعلیم کے ساتھ ان کو حضور اکرم ﷺ کے آخری نبی ورسول ہونے کی تعلیم دیں اور ان کو بتائیں کہ کل قیامت تک صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ کے نقشِ قدم پر چل کر ہی دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی حاصل کی جاسکتی ہے۔

صفحہ تحفظ ختم نبوت

دجال یا مسیح دجال کی آمد

تحریر: مولانا سلیم احمد قاسمی

دجال کا قیام

دجال کہاں ہے؟ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ خوداس حدیث شریف میں جس میں دجال کے موجودہ مقام کا تذکرہ ہے، ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کی تصدیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہوگئی تھی جس پرآپ نے خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے اورممبر پر تشریف فرما ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا: تمام لوگو! اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو، پھر فرمایا: جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے تمہیں تو کسی چیز کا شوق دلانے کے لئے جمع کیا ہے اور نہ کسی چیز سے ڈرانے دھمکانے کے لئے اکٹھا کیا ہے، بلکہ میں نے تمہیں یہ بتانے کیلئے جمع کیا ہے۔ تمیم داری پہلے عیسائی تھا۔ وہ آیا، اس نے بیعت کی اور اسلام میں داخل ہوگیا۔ اس نے مجھے ایسا واقعہ سنایا جوان باتوں سے تعلق رکھتا ہے جو میں تمہیں دجال کے بارے میں بتایا کرتا ہوں۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ لخم اور جذام قبیلہ کے تیس آدمیوں کے ہمراہ ایک بحری جہاز میں سمندر کے سفر پر روانہ ہوا۔ سمندر کی لہریں مہینہ بھر انہیں ادھر سے ادھر دھکیلتی رہیں، یہاں تک وہ ایک جزیرے میں پہنچ گئے۔ اس وقت سورج غروب ہورہا تھا، وہ ایک چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر جزیرے میں داخل ہوئے، جب وہ جزیرے میں داخل ہوئے تو انہیں ایک جانور ملا جس کے جسم پر بہت بال تھے۔ بال کی کثرت کی وجہ سے انہیں اس کے آگے پیچھے کچھ پتہ نہ چل رہا تھا۔

انہوں نے کہا: تیرا ستیاناس ہو تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ میں جساسہ ہوں۔

انہوں نے پوچھا: یہ جساسہ کیا چیز ہے؟

اس نے کہا: اے لوگو! خانقاہ میں موجوداس آدمی کی طرف جاؤ وہ تمہاری خبریں سننے کا بڑے تجسس سے انتظار کررہا ہے۔

بیان کرنے والا بتاتا ہے جب اس نے آدمی کا ہم سے ذکر کیا تو ہمیں خوف لاحق ہوا کہ یہ جانور شیطان نہ ہو۔ پھر ہم تیزی سے چلے اور خانقاہ میں داخل ہو گئے۔ وہاں ہم نے بھاری بھرکم قد کا ایک آدمی دیکھا جس کے گھٹنوں میں ٹخنوں تک بندھی ایک لوہے کی زنجیر تھی اور اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے تھے۔ ہم نے پوچھ: تیرا ستیاناس ہو، تو کیا چیز ہے؟

اس نے کہا: ''میرا پتہ تمہیں جلد چل جائے گا، یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟''

ہم نے کہا کہ ہم عرب سے آئے ہیں، ہم جہاز میں سوار ہوئے، سمندر میں طوفان آ گیا، مہینہ بھر لہریں ہمیں دھکیلتی رہیں، یہاں تک کہ اس جزیرے کے کنارے لے آئیں، ہم کشتی میں بیٹھ کر جزیرے میں داخل ہوئے، یہاں ہمیں ایک جانور ملا جس کے بدن پر بہت بال تھے، بالوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے آگے پیچھے کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا، ہم نے اس سے پوچھا: تیرا ستیاناس ہو، تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: میں جساسہ ہوں۔ ہم نے پوچھا: یہ جساسہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: خانقاہ میں موجوداس آدمی کی طرف جاؤ وہ تمہاری خبریں سننے کا بہت شوق سے انتظار کررہا ہے، ہم تیزی سے تمہاری طرف آئے ہیں، اس ڈر سے کہ کہیں یہ شیطان نہ ہو۔

اس نے کہا: مجھے بیسان کے نخلستان کا حال بتاؤ'' ہم نے کہا: اس نخلستان کے بارے میں کونسی بات پوچھنا چاہتے ہو؟

اس نے کہا: میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا اس کے درختوں پر پھل آتے ہیں یا نہیں؟ ہم نے کہا: ہاں آتے ہیں؟ اس نے کہا: وہ زمانہ قریب ہے جب ان درختوں پر پھل نہیں آئیں گے۔ اس نے پوچھا: مجھے طبریہ کی جھیل کے بارے میں بتاد۔ ہم نے پوچھا: ''اس کی کونسی بات جاننا چاہتے ہو؟''

اس نے کہا: کیا اس میں پانی ہے؟ ہم نے کہا: ہاں! اس میں بہت پانی ہے۔

اس نے کہا: اس کا پانی بہت جلد ختم ہوجائے گا۔ پھر اس نے کہا: مجھے زغر کے چشمہ کے بارے میں بتاو۔ ہم نے پوچھا: کونسی بات معلوم کرنا چاہتے ہو؟ زنجیر میں جکڑے آدمی نے کہا: کیا چشمہ میں پانی ہے اور لوگ اس پانی سے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں؟ ہم نے کہا: اس میں بہت پانی ہے اور شہر کے رہنے والے اس سے کھیتوں کی آبیاری کرتے ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایات ہے کہ اللہ کے رسول صل اللہ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمرو! اگر تو ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے درمیان رہ گیا تو پھر کیا کرے گا؟ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے عہدو پیمان اور امانتوں کو ضائع کر دیا، پھر وہ ایسے ہوگئے۔ اورآپ نے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے اپنی انگلیوں کو آپس میں پیوست کرلیا۔

پھر اس نے پوچھا: مجھے نبی الامینؐ کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کیا کیا ہے؟ ہم نے کہا: وہ مکہ سے نکل کر یثرب (مدینہ) میں آ گئے ہیں۔

اس نے پوچھا: کیا عربوں نے اس کے ساتھ جنگ کی؟ ہم نے کہا: ہاں! اس نے پوچھا: اس نے ان کے ساتھ کیا کیا؟ ہم نے بتایا کہ وہ اردگرد کے عربوں پر غالب آچکے ہیں اور انہوں نے ان کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ اس پر اس نے کہا: کیا واقعی ایسا ہو چکا ہے؟ ہم نے کہا: ہاں۔ اس پر اس نے کہا: ان کے لیے ہی بہتر ہے کہ وہ اس کی اطاعت قبول کرلیں۔ اب میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں، میں دجال ہوں، مجھے عنقریب خروج کی اجازت مل جائے گی۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد رسول اللہؐ نے عصا (لاٹھی) منبر پر مارکر فرمایا: یہ ہے طیبہ یہ ہے طیبہ (یعنی مدینہ منورہ) پھر آپؐ نے فرمایا: میں تم کو یہی بتایا کرتا تھا، جان لو کہ دجال شام کے سمندر (بحیرہ روم) میں ہے یا یمن کے سمندر (عرب) میں ہے، نہیں وہ مشرق میں ہے۔ مشرق میں! اور اللہ کے نبیؐ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

احتیاطی تدابیر

اپنی امت کو نبی آخرالزماںؐ نے فتنہ دجال سے بچنے کی احتیاطی تدابیر سکھلائی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: فتنوں کے درمیان سب سے زیادہ خوش نصیب وہ ہوگا جو چھپا رہے اور پاک وصاف رہے۔ اگر سامنے آئے تو کوئی اسے پہچان نہ سکے اور اگر سامنے نہ ہو تو کوئی اس کا حال احوال نہ پوچھے اور لوگوں میں سب سے زیادہ بدنصیب وہ خطیب ہوگا، جو بلند آواز سے فصیح وبلیغ خطبہ دے گا، اور وہ سوار ہوگا جو سواری کو تیز دوڑنے پر مجبور کرے گا، ان فتنوں کے شر سے وہی نجات پائے گا جو سمندر میں ڈوبنے والے کی طرح خلوص سے دعا مانگے گا۔

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ مسلمان کا بہترین مال وہ بھیڑ بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ پہاڑ کی چوٹی اور بارش کے مقامات پر چلا جائے گا تا کہ وہ اپنے دین کو لے کر فتنوں سے بھاگ جائے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر نے اپنی مشہور تصنیف فتح الباری میں لکھا ہے کہ سلف الصالحین میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ فتنوں کے زمانے میں صاحب ایمان آدمی عام لوگوں سے کنارہ کش ہوکر علیحدگی اختیار کرے یا نہ؟ بعض حضرات ایمان بچانے کیلئے گوشہ نشینی یا پہاڑوں میں نکل جانے کی اجازت دیتے ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ شہروں میں رہ کر فتنوں کے خلاف ڈٹ جانا چاہئے۔ لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب فتنہ عام نہ ہو، لیکن اگر فتنہ عام ہوجائے تو پھر فتنہ زدہ لوگوں سے علیحدگی اور تنہائی کو ترجیح دی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایات ہے کہ اللہ کے رسول صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمرو! اگر تو ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے درمیان رہ گیا تو پھر کیا کرے گا؟ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے عہدو پیمان اور امانتوں کو ضائع کر دیا، پھر وہ ایسے ہو گئے۔ اور آپ نے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے اپنی انگلیوں کو آپس میں پیوست کرلیا۔ انہوں نے پوچھا: ایسے وقت میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: عام لوگوں کو چھوڑ کر خاص لوگوں کے ساتھ مل جاتا۔ (۳۱،۳۲،۳۳،۳۴)

درج بالا احادیث کی روشنی میں یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ اللہ پر توکل کر کے پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ دجال کی علانیہ بغاوت کی جائے، فتنوں کے وقت گوشہ نشینی (یعنی تنہائی) کو ترجیح دی جائے۔ اللہ والوں کے زیادہ قریب ہوجائے، تاکہ فتنوں سے محفوظ ہو۔

سورۃ الکھف کی تلاوت

دجال کے فتنوں سے جو محفوظ رہنا چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ سورۃ الکہف کی ابتدائی یا آخری دس آیات کی تلاوت کرے، اس کی تلاوت دجال کے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچالیتی ہے۔ (۳۵-۳۶)

آپ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جس کسی کے سامنے دجال آجائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کے منہ پر تھوک دے اور سورۃ الکہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ (۳۷،۳۸،۳۹) (جاری)

ایمان کے ڈاکوؤں سے بچیں

قادیانی جو خود کو احمدی کہتے ہیں آپ کی بستی آجائیں تو فوراً بھگا دیجئے اور اپنے علاقے کے دینی ذمہ دار یا امام صاحب کو اس کی اطلاع دیجئے۔ اللہ کے نیک بندوں کو بیماری رحمت ہوتی ہے (یعنی گناہ معاف ہوتے ہیں) جبکہ خدا کے نافرمان بندوں کو سزا۔ مرزا قادیانی کے لیے ہیضے کی بیماری میں موت آزمائش نہیں بلکہ اس کے لیے عذاب تھی اور اس کے جھوٹا ہونے کا اعلان۔ ہیضے کی بیماری کو مرزا قادیانی نے اپنی صداقت کا معیار و پیمانہ قرار دیا تھا۔ مرزا کے سسر میر ناصر کی خودنوشت میں لکھا ہے کہ حضرت (مرزا) صاحب جس رات کو بیمار ہوئے میں اپنی جگہ سو گیا تھا۔ دیر رات مجھ کو جگایا گیا۔ میں حاضر ہوا تو مرزا صاحب نے فرمایا میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہوگیا ہے۔ اسی حالت میں دست و قے دونوں مقامات سے غلاظت آرہی ہے۔ مرزا مردود کی موت لاہور میں ہوئی۔ اور دجال کے گدھے پر سوار ہوکر قادیان لاکر دفن کیا گیا۔ مرزا ریل گاڑی کو دجال کا گدھا کہتا تھا۔ مرنے کے بعد اس دجال کو شیطان کے گدھے پر سوار ہوکر لایا گیا۔ اگر مرزا ہوتا خدا کا سچا پیمبر تو نہ مرتا یوں پاخانہ میں گرکر۔ بہرحال مولانا ثناء اللہ امرتسری سے جو مباہلہ کیا کہ جو جھوٹا ہوگا وہ اُس کی زندگی میں ہیضہ، طاعون کی بیماری میں مرجائے گا۔ مرزا ۱۹۰۸ء میں جہنم رسید ہوا۔ مرزا قادیانی اگر ہوتا خدا کا نبی تو ٹٹّی میں گرکر نہ مرتا کبھی۔ میرے مسلمان بھائیو! ان قادیانی پرچارکوں سے بچو جو سردی میں کشمیری بن کر ہریانہ، پنجاب کے بھولے بھالے مسلمانوں کو اسلام کے نام پر دھوکا دیتے ہیں۔ روپیہ پیسہ، کمبل، ماہانہ پنشن، وظیفہ اور بچوں کو قادیان داخلہ کے بدلے ان کے والدین کو مشاہرے کا لالچ یہ سب اسلام دشمنوں کی سوچی سمجھی سازش ہے، جو انگریزوں نے مسلمانوں کے جوشِ جہاد کو سرد کرنے کے لیے غلام احمد قادیانی کو ایجنٹ بنایا تھا، جیسا کہ ملکہ وکٹوریہ کو مرزا نے ایک خط میں لکھا ہے: ''بندۂ ناچیز برٹش سرکار کا خودکاشتہ پودا ہے لہٰذا اس کے لیے مہربانی ونوازش جاری رہیں۔'' قادیانیوں سے بچیں۔ یہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور غدارانِ وطن ہیں۔ مسلمان، ہندو اور سکھ بھائیوں سے گذارش ہے کہ آپ کی بستی میں اگر قادیانی آئیں تو ان کو فوراً نکال دیں۔ چونکہ یہ ملک اور ملت دونوں کے غدار ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ کی
حیات وخدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ دھلی کی
خصوصی اشاعت
مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ نمبر
اپنی تمام تر خوبیوں، بہترین مضامین، شاندار طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔
صفحات ۱۹۶ — سائز: ۲۳×۳۶ / ۸ — قیمت -/150
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کی
خصوصی پیشکش
تحفظ ختم نبوت نمبر
انشاء اللہ العزیز انتہائی آب وتاب کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے
مکمل تفصیلات آئندہ ملاحظہ فرمائیں
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

جموں وکشمیر

حد بندی کمیشن کی رپورٹ

بلا وجہ نہیں ہے عوام کی ناراضگی

الطاف حسین جنجوعہ

حد بندی کا لفظی مطلب ملک یا کسی صوبہ کی سرحدوں اور علاقائی حدود کا تعین کرنا ہے۔ حد بندی کمیشن سے مراد پارلیمانی یا اسمبلی حلقوں کی حدود متعین کرنے کے لئے تشکیل دی جانے والی اعلیٰ اختیاری باڈی ہے۔ حد بندی کمیشن انڈیا میں اب تک چار مرتبہ تشکیل دی گئی۔ سال ۱۹۵۲ء کو حد بندی کمیشن ایکٹ ۱۹۵۲ء سال ۱۹۶۳ء کو حد بندی کمیشن ایکٹ ۱۹۶۲ء، سال ۱۹۷۳ء کو حد بندی کمیشن ایکٹ ۱۹۷۲ء اور سال ۲۰۰۲ء کو حد بندی کمیشن ایکٹ ۲۰۰۲ء کے مطابق انڈیا میں ملکی سطح پر پارلیمانی واسمبلی حلقوں کی حد بندی کی گئی۔ جموں وکشمیر میں اسمبلی حلقوں کی حد بندی ۱۹۶۳ء، سال ۱۹۷۳ء اور ۱۹۹۵ء کو ہوئی ہے۔ آخری مرتبہ صدر راج کے دوران جسٹس ریٹائرڈ کے کے گپتا کی قیادت میں کمیشن نے سال ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق حد بندی کی تھی اور اس کی بنیاد پر سال ۱۹۹۶ء کے الیکشن ہوئے، سال ۱۹۹۱ء میں مردم شماری نہیں ہوئی۔ بعدازاں جموں وکشمیر حکومت نے سال ۲۰۲۶ء تک نشستوں کی حد بندی پر روک لگا دی تھی جس کو عدالت عظمیٰ نے بھی برقرار رکھا تھا۔ جموں کشمیر تنظیم نو قانون ۲۰۱۹ء کے مطابق چونکہ نشستوں کی تعداد بڑھی تو اسمبلی انتخابات کرانے سے قبل اسمبلی حلقوں کی حد بندی کرانی لازمی تھی، اس لئے عدالت عظمیٰ کی ریٹائرڈ جج جسٹس رنجنا دیسائی کی سربراہی میں سہ رکنی کمیشن تشکیل دی گئی جس کے جموں وکشمیر کے پانچ اراکین پارلیمان ایسوسی ایٹ ممبران بھی ہیں۔

جموں وکشمیر کے حوالے سے حد بندی کمیشن نے جو ڈرافٹ رپورٹ پیش کی ہے، اس میں بڑے پیمانے پر اسمبلی حلقوں میں کی گئی توڑ پھوڑ اور پہلے سے موجود حلقوں کی حدود میں ردو بدل سے لوگوں میں کافی ناراضگی ہے جو کہ اس کو زیادتی اور ناانصافی سے تعبیر کر رہے ہیں۔ عوام کا الزام ہے کہ کمیشن نے جو ڈرافٹ رپورٹ پیش کی ہے اس میں قواعد وضوابط کا پاس ولحاظ نہیں رکھا گیا ہے، بہت زیادہ من مانی کی گئی ہے اور زمینی حقائق کو نظر انداز کر کے سر کی جگہ بازو، پیر کی جگہ سر لگا دیا گیا ہے۔ لوگ اس لئے بھی پریشان ہیں کہ وہ اس حد تک ہوئی ناانصافی اور زیادتی کو کیونکر عدالت میں چیلنج نہیں کر سکتے۔ لیکن آئینی طور پر یہ بندش ہے کہ کمیشن کی رپورٹ کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ عدالتوں کو اختیار ہی نہیں کہ وہ حد بندی سے متعلق عرضی پر کوئی اپنا فیصلہ سنائیں۔ ہم جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ ایسا کیوں، اور کیا کبھی اس سے قبل عدالتوں میں کمیشن کی رپورٹ چیلنج کی گئی، اگر ہاں تو پھر عدالتوں کا اس پر کیا فیصلہ رہا۔ آئین ہند کے حصہ ۱۵ میں ۳۲۴ سے لیکر ۳۲۹-اے دفعات انتخابی امور سے متعلق ہیں اور اسی میں حد بندی بھی شامل ہے۔ دفعہ ۳۲۸، اور ۳۲۷ پارلیمانی واسمبلی حلقوں کی حد بندی کے بارے میں ہیں۔ دفعہ ۳۲۹ کے تحت حد بندی کمیشن رپورٹ عدالت میں قابل عذر نہیں ہے۔ دفعہ ۳۲۷ کے مطابق اس آئین کی توضیحات کی تابع، پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً قانون کے ذریعے پارلیمنٹ کے ہر دو ایوان یا کسی ریاست کی مجلس قانون ساز کے ایوان یا ہر دو ایوان کے انتخابات سے متعلق یا اس کے سلسلے میں جملہ امور کی بابت توضیع کر سکے گی جن میں انتخابی فہرستوں کی تیاری، انتخابی حلقوں کی حد بندی اور وہ جملہ دیگر امور شامل ہیں جو ایسے ایوانوں کی باضابطہ تشکیل کے لئے ضروری ہوں۔ ۳۲۸ اس آئین کی توضیعات کے تابع اور جب تک پارلیمنٹ اس بارے میں توضیع نہ کرے، کسی ریاست کی مجلس قانون ساز وقتاً فوقتاً قانون کے ذریعہ اس ریاست کی مجلس قانون ساز کے ایوان یا ہر دو ایوانوں کے لئے انتخابات سے متعلق یا اس کے سلسلے میں جملہ امور کی بابت توضیع کر سکے گی جس میں انتخابی فہرستوں کی تیاری اور ایسے جملہ دیگر امور شامل ہیں جو ایسے ایوان یا ایوانوں کی باضابطہ تشکیل کے لئے ضروری ہوں۔'' دفعہ ۳۲۹ (الف) کے مطابق کسی ایسے قانون کے جواز پر جو انتخابی حلقوں کی حد بندی یا ایسے انتخابی حلقوں کے لئے نشستیں مختص کرنے سے متعلق دفعہ ۳۲۷ یا دفعہ ۳۲۸ کے تحت بنایا گیا ہو یا بنایا گیا ظاہر ہوتا ہو، کسی عدالت میں چین نہیں کیا جائے گا۔ سال ۲۰۱۹ کو جموں وکشمیر کی تقسیم تنظیم نو سے قبل جموں کشمیری پریزنٹیشن آف پیپلز ایکٹ ۱۹۵۷ء کی دفعہ ۴ ذیلی دفعہ ۳ کی شق ڈی کے تحت بھی اسمبلی حلقوں کی حد بندی سے متعلق کسی آرڈر کی نوٹیفکیشن کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنے پر جموں وکشمیر آئین کی دفعہ ۱۴۲-اے کے تحت بندش تھی جو انتخابی امور میں عدالتوں کی مداخلت پر امتناع سے متعلق تھی۔ سال ۱۹۷۷ء کو اس طرح ایک عرضی کو چیلنج کیا گیا جس پر جسٹس اے ایس آنند اور جسٹس آئی کے کوتوال منی جموں وکشمیر ہائی کورٹ بنچ نے فیصلہ دیا کہ وہ اس بات کی بھی چھان بین نہیں کر سکتی کہ آیا حد بندی کمیشن کی طرف سے شائع کردہ نوٹیفکیشن معقول ہے یا نہیں۔ سال ۱۹۶۶ء میں عدالت عظمیٰ نے بھی مدھیہ پردیش کے شہر اجین کے شہری مہراج کوٹھاری کی طرف سے مدھیہ پردیش ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف دائر اپیل کو اسی بنیاد پر خارج کر دیا تھا۔ مہراج کوٹھاری بنام حد بندی کمیشن کا یہ فیصلہ چیف جسٹس راؤ کے سبا، جسٹس ہدایت اللہ، جسٹس ایم سکری، جسٹس ایس ایم شہلٹ، جسٹس جے ایم متر اور جسٹس جی کے پر مشتمل فل بنچ نے کیا تھا جو کہ AIR 669, 1967، SCR (1) 400/1967 میں بھی درج ہے۔ اس میں کوٹھاری نے ۲۴/جولائی ۱۹۶۴ء کو حد بندی کمیشن ایکٹ ۱۹۶۲ء کی دفعہ ۱۰(۱) کے تحت جاری نوٹیفکیشن کو چیلنج کیا تھا جس میں مدھیہ پردیش کے شہر اوجین کو ایس سی کے لئے ریزرو کر دیا گیا تھا۔ کوٹھاری، جو کہ اجین شہر کا رہنے والا تھا، نے مدھیہ پردیش ہائی کورٹ میں آئین ہند کی دفعہ ۲۲۶ کے تحت عرضی میں کہا تھا (باقی صـ۱۴ پر)

اسمبلی انتخابات ۲۰۲۲ء میں کامیاب مسلم امیدوار

اسمبلی انتخابات ۲۰۲۲ء میں مسلم ارکانِ اسمبلی کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے اور اب اتر پردیش میں گذشتہ اسمبلی کی تعداد ۲۵ سے بڑھ کر ۳۴ ہو گئی ہے جبکہ پنجاب سے ایک، اتراکھنڈ سے ایک اور منی پور سے تین مسلم ارکان اسمبلی میں پہنچے ہیں۔ مکمل فہرست حسب ذیل ہے۔

کامیاب ہونے والے مسلم امیدوار

	اسمبلی حلقہ	امیدوار	پارٹی
	اترپردیش		
۱.	محمد اعظم خان	سماجوادی پارٹی	رام پور
۲.	صہیب انصاری	سماجوادی پارٹی	محمد آباد
۳.	ناہید حسن	سماجوادی پارٹی	کیرانہ
۴.	عمر علی خان	سماجوادی پارٹی	بیہٹ
۵.	اشرف علی خان	آرایل ڈی	تھانہ بھون
۶.	تسلیم احمد	سماجوادی پارٹی	نجیب آباد
۷.	کمال اختر	سماجوادی پارٹی	کانٹھ
۸.	نواب جان	سماجوادی پارٹی	ٹھاکردوار
۹.	محمد ناصر	سماجوادی پارٹی	مرادآباد دیہی
۱۰.	ضیاء الرحمٰن	سماجوادی پارٹی	کندرکی
۱۱.	محمد فہیم عرفان	سماجوادی پارٹی	بلاری
۱۲.	اقبال محمود	سماجوادی پارٹی	سنبھل
۱۳.	عبداللہ اعظم	سماجوادی پارٹی	سوار (رامپور)
۱۴.	نصیر احمد خان	سماجوادی پارٹی	چمروا (رامپور)
۱۵.	محبوب علی	سماجوادی پارٹی	امروہہ
۱۶.	غلام محمد	آرایل ڈی	سوال خاص
۱۷.	شاہد منظور	سماجوادی پارٹی	کٹھور
۱۸.	رفیق انصاری	سماجوادی پارٹی	میرٹھ
۱۹.	نادرہ سلطان	سماجوادی پارٹی	پٹیالی (کاس گنج)
۲۰.	عطاء الرحمٰن	سماجوادی پارٹی	بہیڑی (بریلی)
۲۱.	شرجیل الاسلام انصاری	سماجوادی پارٹی	بھوجی پورہ (بریلی)
۲۲.	ارمان خان	سماجوادی پارٹی	لکھنؤ مغرب
۲۳.	محمد طاہر خان	سماجوادی پارٹی	ایسولی (سلطانپور)
۲۴.	حاجی عرفان سولنکی	سماجوادی پارٹی	شیشہ مئو (کانپور شہر)
۲۴.	محمد حسن	سماجوادی پارٹی	کانپور کینٹ
۲۶.	فرید محفوظ قدوائی	سماجوادی پارٹی	رام نگر (بارہ بنکی)
۲۷	سعیدہ خاتون	سماجوادی پارٹی	ڈومریا گنج
۲۸.	نفیس احمد	سماجوادی پارٹی	گوپال پور
۲۹.	عالم بدیع	سماجوادی پارٹی	نظام آباد
۳۰.	عباس انصاری	ایس بی ایس پی	مئو صدر
۳۱.	ضیاء الدین رضوی	سماجوادی پارٹی	سکندرپور
۳۲.	زاہد بیگ	سماجوادی پارٹی	بھدوہی
۳۳.	محمد مرتضیٰ	سماجوادی پارٹی	پھول پور
۳۴.	آشو ملک	سماجوادی پارٹی	سہارنپور
	پنجاب		
۳۵.	محمد جمیل الرحمٰن	عام آدمی پارٹی	مالیرکوٹلہ
	اتراکھنڈ		
۳۶.	شہزاد	بی ایس پی	لکسر
	منی پور		
۳۷.	محمد عبدالنصیر	جنتا دل متحدہ	للونگ
۳۸.	شیخ نورالحسن	این پی پی	کھیتری گاؤں
۳۹.	محمد عجیب الدین	جنتا دل متحدہ	تھنگ مئی بند

تجزیہ

جاوید جمال الدین

دو دہائیوں میں گجرات کافی بدل گیا ہے

۲۰۰۲ء کے گودھرا ٹرین حادثہ کے بعد آج کے ہمارے وزیراعظم مسٹر مودی نے اس پر ردّعمل کا شوشہ چھوڑ کر گجرات جیسی پرامن ریاست کو جس تشدد کے دلدل میں ڈال دیا تھا، وہ آج دو دہائی بعد بھی اس کے اثرات سے خود کو باہر نہیں نکال پایا ہے۔ ردّعمل کی اس تھیوری کے بعد گجرات میں مسلسل تین ماہ تک جو کچھ ہوتا رہا تھا اس سے ملک کا ہر شخص واقف ہے۔ اب ایسے ہی ردّعمل کی بات کرناٹک میں بجرنگ دل کارکن کے قتل پر کی گئی ہے، لیکن فی الحال امن برقرار رہا ہے۔ جہاں تک ریاست گجرات کا سوال ہے، ان دو دہائیوں میں بہت کچھ بدل چکا ہے لیکن ہلکی سی خلش ضرور نظر آتی ہے، وہ گجرات کے متاثرین کی کھوئی کھوئی سی آنکھیں سوال کرتی نظر آتی ہیں کہ آخر اس خونریزی کے قصورواروں کو سزا کیوں نہیں ہوئی۔ احمد آباد بم دھماکوں کے قصورواروں کو سزائے موت اور سزائے عمر قید کی سزا سنائی گئی ہے لیکن نسل کشی کے ملزمین بلاخوف وخطر آزاد گھوم رہے ہیں اور کئی سفید پوش ریاستی اور قومی سطح پر سیاسی طور پر سرگرم ہیں۔ گجرات فسادات بلکہ مسلم کش فسادات کو بیس سال مکمل ہونے پر ریاست اور خصوصی طور پر احمد آباد کا جائزہ لینے پر یہ محسوس ہوا ہے کہ ان دو دہائیوں میں حالات نے کروٹ بدل لی ہے، لوگ اس تشدد کو بھولنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں لیکن دل ودماغ میں پیوست یادیں نکلتی ہی نہیں ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے اتنے بڑے پیمانے پر تشدد کا سبب کیا تھا، ریاست گجرات میں فروری اور مارچ ۲۰۰۲ء میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کو ایک عمل پر ردعمل کا نام دیا گیا۔ دراصل یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ گجرات کے پنچ محل ضلع کے شہر گودھرا میں ایک ریل کے ڈبے کو نذرِ آتش کر دیا گیا، جس میں اجودھیا سے واپس لوٹ رہے ۵۹ ہندو کارسیوک ہلاک ہو گئے تھے، اس آتشزدگی کا الزام مسلمانوں پر لگایا گیا اور گجرات میں مسلمانوں کے خلاف بڑے پیمانے پر تشدد پھوٹ پڑا، یہ بھی الزام ہے کہ ان فسادات میں گجرات کی ریاستی حکومت کی درپردہ مدد حاصل رہی تھی۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے ان فسادات کو مسلم کش یعنی نسل کشی قرار دیا تھا۔ واضح رہے کہ ۲۰۰۲ء کے تشدد میں تقریباً ۲۵۰۰ مسلمانوں کو بے رحمی سے قتل کیا گیا یا زندہ جلا دیا گیا۔ سینکڑوں مسلم خواتین کی عصمت تار تار کی گئی اور ہزاروں مسلمان بے گھر ہوئے تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ اس تشدد کو گودھرا کی کارروائی کا ردعمل کہا گیا تھا لیکن متعدد تحقیقاتی کمیشن اور کمیٹیوں نے گودھرا ٹرین آتشزدگی پر شکوک شبہات ظاہر کیے اور سرکاری مشینری کی جانبداری کو پیش کیا ہے۔ کئی رپورٹوں کو ٹھنڈے بستے میں ڈال دیا گیا ہے، کیونکہ ان رپورٹوں میں حکومت وقت کو موردالزام قرار دیا گیا ہے۔ ان رپورٹوں میں الزام عائد کیا گیا ہے کہ فسادات کو روکنے کے لیے پولیس نے کوئی دلچسپی نہیں دکھائی بلکہ گجرات کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی پر بھی خاموش تماشائی کرنے کا الزام عائد کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وزیراعظم اٹل بہاری واجپئی کی مرکزی حکومت نے بھی گجرات میں فسادات روکنے کی کوشش نہیں کی۔

البتہ واجپئی نے مودی کو راج دھرم نبھانے کی ہدایت کی تھی۔ 'گجرات فائلس: پس پردہ حقائق کا انکشاف' نامی کتاب میں معروف خاتون صحافی رعنا ایوب نے ۲۰۰۲ء کے گجرات فسادات کے مخفی حقائق سے پردہ اٹھایا ہے، نیز نریندر مودی اور امت شاہ کے دور عروج میں ریاست میں جاری انسانیت سوز جرائم اور فرضی انکاؤنٹروں کے متعلق انہی کی زبان سے سنسنی خیز انکشافات کیے گئے۔ رعنا ایوب نے اس کتاب کا مواد تیار کرنے کے لیے بھیس بدل کر گجرات کے ان بڑے پولیس افسروں، سرکاری اہلکاروں اور سیاست دانوں سے ملاقات کی جو ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۰ء تک صوبہ گجرات کے کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔ حتیٰ کہ اسی بھیس. میں رعنا نے نریندر مودی سے بھی ملاقات کی۔ ان افراد سے ملاقاتوں کے دوران میں رعنا ایک مخفی کیمرا ساتھ رکھتیں اور اس کی مدد سے ان ملاقاتوں میں ہونے والی گفتگو کو ریکارڈ کر لیتیں۔ اس پوری کارروائی کے پیچھے ادارہ تہلکہ تھا لیکن پھر تہلکہ نے اپریل ۲۰۱۱ء نے اس تفتیش کو بند کر دیا تو رعنا نے اس کام کو آزادانہ طور پر جاری رکھا۔ اس طرح کی تفتیشی صحافت کے لیے جسٹس بی این سری کرشنا، جنہوں نے ممبئی کے ۹۳-۱۹۹۲ء کے فسادات کی تحقیق کی تھی، نے کہا کہ تفتیشی صحافت میں اس غیر معمولی جرأت کے لیے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو سلام۔ بڑھتی ہوئی بے ایمانی، فریب کاری اور سیاسی ریشہ دوانیوں کے پیش نظر اس کی ضرورت بھی بڑھ رہی ہے۔ گجرات میں ۲۰۰۲ء کے تشدد کے لیے چند ایک معاملات میں سزا ہوئی ہوگی، ورنہ گلبرگ سوسائٹی کے تشدد اور آتشزدگی کے لیے کسی کو سزا نہیں ہوئی اور مرحوم ایم پی احسان جعفری کی بیوہ زکیہ جعفری انصاف کے لیے دربدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہیں۔ جب احمد آباد کے بم دھماکوں میں ملوث قصورواروں کو سنگین نوعیت کی سزائیں سنائی جاتی ہیں، تب یہ احساس ہوتا ہے کہ فروری اور مارچ ۲۰۰۲ء کے تشدد کے لیے قصوروار کب کیفرکردار تک پہنچیں گے۔ ریاست کا دارالحکومت احمد آباد بظاہر تو پرسکون ہے، ان سزاؤں پر عام آدمی سوال اٹھاتے ہیں، مسلم اکثریتی علاقوں باپونگر، سرخیز، جوہاپورہ، امدوپورہ، بامبے ہوٹل، نیو فیصل کالونی اور کالوپور میں گنجان آبادی ہے اور یہاں کے مسلمان امن وامان اور ناانصافی کے حق میں ہیں۔ باپونگر کی مومن مسجد کے نزدیک آٹو رکشہ اسٹینڈ پر نماز فجر کے بعد چند افراد نے کھل کر کہا کہ ان دو دہائیوں میں ریاست میں امن برقرار رہا ہے، لیکن مسلمان اپنے حقوق چاہتے ہیں اور تعلیم، سماجی برابری اور مساوات وانصاف کے حق میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس عرصے میں اقلیتی فرقے میں خوشحالی نے بھی دستک دی ہے، شہر اور نواحی علاقوں میں سینکڑوں بستیاں آباد ہوئی ہیں اور روزگار کی طرف بھی مسلمانوں نے توجہ دی ہے۔ انہیں اپنے کاروبار اور تجارتی مواقع حاصل ہوئے اور ان موقعوں کا بھرپور فائدہ اٹھایا ہے، پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ یہاں مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ بھی پسماندگی سے ابھرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ احمد آباد میں یہ بھی محسوس ہوا کہ مسلمان سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ساتھ ذات، برادری اور فرقوں میں تقسیم نہیں دکھائی دیا۔ اشتعال انگیزی اور نفرت کے سوداگروں کو نظرانداز کر دیا اور مایوسی کا اظہار کرنے کے بجائے بہتر مستقبل کی امید ظاہر کر رہا ہے۔ احمد آباد پسماندہ اور متوسط طبقے کے علاقوں میں تعلیم کی طرف رجحان بھی نظر آیا، اس لیے امید کی کرن پیدا ہو گئی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ مسلمان اپنے اہل وعیال کے ساتھ ساتھ اپنوں کے بہتر مستقبل کا خواہاں ہے۔ ایک خود اعتمادی پیدا ہو گئی جو کہ روشن مستقبل کی ضامن ہے۔

کھیل کی دنیا

شکیب الحسن کیا بین الاقوامی کرکٹ سے بریک چاہتے ہیں

بنگلہ دیش کے اسٹار آل راؤنڈر شکیب الحسن نے کہا ہے کہ انہیں بین الاقوامی کرکٹ سے بریک لینے کی ضرورت ہے۔ اس بیان کے ساتھ انہوں نے بنگلہ دیش کرکٹ بورڈ (پی سی بی) کے صدر جلال یونس کو اشارہ دیا ہے کہ وہ اس ماہ کے آخر میں جنوبی افریقہ کے خلاف ون ڈے سیریز سے باہر ہو سکتے ہیں تاکہ وہ ذہنی طور پر ٹیسٹ سیریز کے لیے تیار ہوسکیں اور جسمانی طور پر تازہ دم ہوکر واپس آئیں۔ واضح رہے کہ شکیب کو گزشتہ ہفتے ون ڈے اور ٹیسٹ دونوں ٹیموں میں منتخب کیا گیا تھا جب پی سی بی کے صدر نجم الحسن نے دعویٰ کیا تھا کہ شکیب ٹیسٹ سیریز بھی کھیلنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ شکیب نے ذاتی کام کے لیے اتوار کو ڈھاکہ سے دبئی روانہ ہونے سے پہلے کہا کہ وہ حال ہی میں ختم ہونے والی افغانستان سیریز میں ایک مسافر کی طرح محسوس کر رہے تھے جہاں انہوں نے ون ڈے اور ٹی-۲۰ دونوں سیریز میں ۷۴ رن بنائے اور سات وکٹیں حاصل کی تھیں۔ اسٹار آل راؤنڈر نے کہا تھا کہ میری ذہنی اور جسمانی حالت کو دیکھتے ہوئے مجھے نہیں لگتا کہ میں اتنا انٹرنیشنل کرکٹ کھیل سکتا ہوں۔ اگر مجھے وقفہ ملتا ہے اور میری دلچسپی واپس آجاتی ہے تو میں زیادہ آسانی سے کھیل سکتا ہوں۔ میں افغانستان سیریز میں ایک مسافر کی طرح تھا، جو کبھی بھی مطلوب نہیں ہوتا۔ میں ون ڈے اور ٹی-۲۰ سے لطف اندوز نہیں ہوا۔ مجھے نہیں لگتا کہ مجھے اس قسم کی ذہنیت کے ساتھ جنوبی افریقہ کے دورے پر جانا چاہیے۔ جب میں کھیل رہا ہوں تو میں سب کی توقعات پر پورا اترنا چاہتا ہوں۔ میری بہترین کارکردگی کی کوئی گارنٹی نہیں ہے لیکن کم از کم مجھے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے ملک کے لیے پوری کوشش کی۔ میں وقت یا کسی کی جگہ ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اس طرح ایک مسافر کے طور پر کھیلنا اپنے ساتھیوں اور ملک سے دھوکہ کے مترادف ہوگا۔ شکیب نے کہا کہ انہوں نے بی سی بی کے سربراہ حسن سے کہا تھا کہ وہ دونوں فارمیٹس کے لیے جنوبی افریقہ کا دورہ کریں گے لیکن افغانستان سیریز کے دوران ان کے خیالات کچھ اور تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے جلال بھائی کو اطلاع دے دی ہے جنہوں نے مجھے کچھ دن سوچنے کو کہا ہے۔ اس کے بعد فیصلہ کروں گا۔ میں نے پاپون بھائی سے پہلے بات کی تھی کہ میں دونوں سیریز کھیلوں گا لیکن میں نے کل کے میچ کے بعد بہت سوچا۔ میری ذہنی اور جسمانی حالت کو دیکھتے ہوئے مجھے کچھ وقت درکار ہے۔ میں بہتر جسمانی حالت میں ٹیسٹ کھیلنے کے لیے جنوبی افریقہ ٹیسٹ سے باہر ہوسکتا ہوں۔ شکیب نے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ بی سی بی ان کے کیریئر کے پیش نظر ان کے لیے ایک سال کا منصوبہ تیار کرے۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے بی سی بی سے نومبر کے وسط تک تمام ٹیسٹ سیریز کے وقفے کے لیے کہا تھا نہ کہ صرف چھ ماہ جیسا کہ حسن نے گزشتہ ہفتے کہا تھا۔ بنگلہ دیش کے تجربہ کار آل راؤنڈر نے بتایا کہ میں اپنے کیریئر کے اس مرحلے پر محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے طویل مدتی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ ہمارے پاس ہر چیز کے بارے میں وضاحت ہو۔ بورڈ کو لکھے گئے میرے خط میں چھ ماہ کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ میں نے بورڈ کو بتایا کہ میں اس سال ۲۲/ نومبر تک ٹیسٹ سے باہر رہنا چاہتا ہوں۔ میں صرف وائٹ بال کرکٹ پر توجہ مرکوز کرنا چاہتا تھا کیونکہ اگلے دو سالوں میں ہمارے سامنے دو ورلڈ کپ ہیں۔ شکیب نے کہا کہ میں ٹیسٹ کو مکمل طور پر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن چونکہ ہم ٹیسٹ ٹیم میں کچھ توازن تلاش کر رہے ہیں، میں نے محسوس کیا کہ اگر میں اپنی عمر اور جسمانی فٹنس کو دیکھتے ہوئے سفید گیند پر توجہ دیتا تو میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔ مجھے لگتا ہے کہ اگر اپنے بارے میں طویل مدتی منصوبے کے بارے میں جانتا ہوں تو یہ بہتر ہے۔ سیریز بہ سیریز کے بارے میں سوچنے کا کوئی مطلب نہیں۔ واضح رہے کہ بنگلہ دیشی ٹیم ۱۲/ مارچ کو جنوبی افریقہ روانہ ہوگئی۔ وہ یہاں ۱۸، ۲۰، اور ۲۳/ مارچ کو تین ون ڈے کھیلے گی، اس کے بعد ۳۱/ مارچ سے ۸/ مارچ تک دو ٹیسٹ میچ کھیلے گی۔ □□

کبڈی کھلاڑی سندیپ ننگل کا سرعام قتل

شاہ کوٹ میں شام ۶:۱۵ بجے کے قریب یہاں ملیاں خورد میں کبڈی ٹورنامنٹ کے دوران خونی کھیل کھیلا گیا۔ بدمعاشوں نے میچ کھیل کر اپنے ساتھی کے ساتھ لوٹ رہے این آر آئی کبڈی کھلاڑی سندیپ منگل کے سر میں گولی مار کر قتل کر دیا۔ ۴ سے ۵ بدمعاشوں نے گھات لگا کر ان پر گولیاں چلائیں۔ دو دیگر لوگ بھی گولی لگنے کے سبب زخمی ہوئے ہیں۔ واقعہ کے وقت سندیپ اپنے کچھ ساتھیوں کو کارتک چھوڑنے کے لیے نکلے تھے۔ بعد میں حملہ آور سفید رنگ کی سویفٹ کار میں سوار ہوکر گیلان گاؤں کی طرف بھاگ گئے۔ چشم دیدوں کے مطابق حملہ آواروں کی سویفٹ کار میں ایک شخص پہلے سے بیٹھا تھا۔ چار حملہ آور پستول لیے سندیپ کے پاس پہنچے اور ان پر گولیوں کی بوچھار کر دی۔ سنگین طور پر زخمی سندیپ کو کمل اسپتال ناکودر میں بھرتی کرایا گیا۔ ہنڈل ڈھاڈا کے رہنے والے پرتاپ سنگھ کو سینے میں گولی لگی ہے۔ ایک دیگر شخص معمولی چوٹوں کے ساتھ جائے واردات سے بھاگ گیا۔ گولیاں چلنے سے اسٹیڈیم میں بھی بھگدڑ مچ گئی۔ پولیس کے مطابق جائے واردات سے ۱۰ سے ۱۲ کارتوس کے کھوکے ملے ہیں۔ واقعہ کی اطلاع ملتے ہی ناکودر کے ڈی ایس پی لکھویندر سنگھ مل اور صدر ناکور کے ایس ایچ او پرمندر سنگھ وادگی تھانے کے ایس آئی بلجندر سنگھ موقع پر پہنچے۔ ایس ایچ او پرمندر سنگھ نے کہا کہ حملہ آوروں کا جلد ہی پتہ لگا لیا جائے گا۔ پولیس نے موقع سے قریب ۱۰ سے ۱۲ خالی کارتوس برآمد کیے ہیں۔ ٹورنامنٹ کے آرگنائزروں اور قصبے کے باشندوں نے واقعہ کی مذمت کی ہے اور پولیس سے حملہ آوروں کو جلد سے جلد گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

پسند کی شادی نہ ہونے پر مصری فٹبال ٹیم کے گول کیپر کی خودکشی

مصر کی الاہلی جونیئر فٹ بال ٹیم کے گول کیپر زیاد ایہاب کی موت کے بعد مصر میں عوامی حلقوں میں افسوس کی لہر دوڑ گئی ہے۔ دوسری طرف مصری پبلک پراسیکیوشن نے نئی تفصیلات کا انکشاف کیا ہے۔ پراسیکیوشن کے مطابق الاہلی کے گول کیپر نے اپنے گھر کی بالکونی سے کود کر خودکشی کی۔ وہ نفسیاتی پریشانی سے گزر رہا تھا، کیونکہ اس کے والد نے اس کی پسند کی لڑکی سے اس کی شادی کرانے سے انکار کر دیا تھا۔ پبلک پراسیکیوشن کی تحقیقات سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ گول کیپر حالیہ ایام میں افسردہ تھا۔ اس کے والد نے اس کی پسند کی لڑکی سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ اتوار کی صبح اس نے عمارت کے اوپر سے کود کر خودکشی کر لی۔ عین الشمس کے علاقے میں پیش آنے والے اس واقعے میں خودکشی کرنے والا نوجوان انتقال کر گیا۔ مصری تفتیشی حکام نے گول کیپر کے جسم کے بارے میں بات کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ جسم پر الگ الگ فریکچر اور کھوپڑی میں دراڑ ہے۔ الاہلی کلب میں جونیئر سیکٹر کے ڈائریکٹر خالد بیبو نے اعلان کیا کہ نوجوان گول کیپر اپنی کارکردگی اور اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے جانا جاتا تھا اور وہ الاہلی میں جونیئر سیکٹر میں سب سے نمایاں صلاحیتوں کا حامل گول کیپر تھا۔ اپنی موت سے چند گھنٹے قبل اس نے اپنے فیس بک پر ایک پراسرار پوسٹ لکھی تھی جس میں اس نے یہ بتائے بغیر کہا تھا کہ میرے اندر کیا ہے کوئی نہیں سمجھتا اور نہ ہی کوئی اسے سمجھ سکتا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ زیاد ایہاب الاہلی ٹیم کے مرکزی گول کیپر تھے۔ وہ ۲۰۰۳ء میں پیدا ہوئے اور انہوں نے شاندار میچ کھیلے اور یوتھ لیگ میں ٹیم کے آخری دو میچوں میں بھی وہ مرکزی گول کیپر تھے۔

طب و صحت

پودینہ جو وٹامنز سے ہوتا ہے بھرپور

پودینہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے اور ایسا صحت افزا پودا ہے جو صرف بیرونی خوبصورتی میں ہی اضافہ نہیں کرتا بلکہ جسم کے اندرونی نظام کے لئے بھی انتہائی فائدے مند ہے جبکہ اس کی منفرد خوشبو سب کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ پودینہ آئرن، میگنیشیم منرلز کیلشیم، وٹامنز سے بھرپور ہوتا ہے جبکہ اس میں موجود میتھول درحقیقت اسے خاص بناتا ہے۔ تین چوتھائی کپ پودینے کی مقدار میں چھ کیلوریز، ایک گرام فائبر، ۱۲ فیصد وٹامن اے، ۹ فیصد آئرن، ۴ فیصد فولک ایسڈ اور ۸ فیصد میگنیز پایا جاتا ہے۔ دوسری جڑی بوٹیوں اور مسالوں کے مقابلوں میں پودینہ اینٹی آکسیڈنٹ کا ایک بہترین ذریعہ ہے، پودینے میں موجود فابر کولیسٹرول لیول کو کم کرتا ہے جبکہ میگنیشیم ہڈیوں کو طاقت دیتا ہے۔ پودینہ ذائقے میں خوشگوار ہوتا ہے اسی لئے اس کا استعمال زیادہ تر رائتہ یا چٹنیوں میں کیا جاتا ہے۔ دانتوں کے درد میں پودینہ کے پتے چبانا مفید ہے جبکہ پودینے کا عرق دل کی کمزوری دور کرتا ہے۔ پودینہ امراضِ معدہ میں موثر ہے، دل اور معدے کی کمزوری کے لئے پودینے کا استعمال بہترین آپشن ہے۔ پودینہ اپنی منفرد خوشبو اور ذائقے کی بدولت دنیا کے سب ممالک میں مقبول ہے، جسے کھانے کو خوش ذائقہ بنانے کے لئے مختلف طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ پودینے کی چٹنی نہ صرف کھانے میں لذیذ ہوتی ہے بلکہ یہ بھوک بڑھانے میں مدد دیتی ہے، بھوک کی کمی کے شکار افراد کو چاہئے کہ وہ کھانے کے وقت مولی، امرود یا سیب کاٹ کر اس میں پودینے کے پتے اور لیمن کا جوس ڈال کر استعمال کریں۔ پودینے کا قہوہ پیٹ درد، گیس، متلی اور نظام انہظام کو تندرست رکھنے کے لئے مفید ہے، اس کے علاوہ پودینہ ایک بہترین کلینزر ہے، اس کا لیپ بنا کر چہرے پر لگانے سے جلد کے داغ دھبے دور ہوتے ہیں۔ ایک ترتیب بنالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ پودینہ ایسا پودا ہے جو جسم اور دماغ کو متحرک رکھتا ہے، اس کے استعمال سے دماغ کو سکون حاصل ہوتا ہے اور جسم توانائی محسوس کرتا ہے جس کے باعث انسان تروتازہ نظر آتا ہے۔ اگر آپ مرچ مصالے سے بھرپور یا روغنی غذا کھانے کے بعد یا اس کے ساتھ پودینے کے چند پتے کھالیں تو کھانا باآسانی ہضم ہوجاتا ہے اور سینے پر جلن یا بھاری پن کی شکایت نہیں ہوتی۔ اگر روز پودینے کے پتوں کا پانی پیا (باقی صـ۱۴ پر)

ادبیات

حسن ایسا ہے کچھ بے مثال آپؐ کا

محمد اطہر قاسمی کملاپوری

حسن ایسا ہے کچھ بے مثال آپؐ کا — ثانی ملنا ہوا ہے محال آپؐ کا
حسن یوسفؑ پہ شیدا نہ ہوتی کبھی — دیکھتی گر زلیخا جمال آپؐ کا
جسم و جاں یک بیک سب مہکنے لگے — جس گھڑی آ گیا ہے خیال آپؐ کا
ظلم سہہ کر بھی ممکن نہیں چھوڑ دے — دامنِ دل کشا یہ بلالؓ آپؐ کا
کچھ قیامت سے بھی کم نہیں وہ گھڑی — جب جہاں سے ہوا ہے وصال آپؐ کا
چل دیئے چھوڑ کر ارضِ بطحا بلالؓ — شاق گذرا جو ہجر و ملال آپؐ کا
نعت لکھنے کے صدقے میں اطہر مجھے — آ رہا ہے برابر خیال آپؐ کا

احساس کے پتھر، مرے سینہ پہ دھرے ہیں

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوریؒ

انسان میں آشاؤں کے جب دیپ جلے ہیں — صحراؤں کے دامن میں بھی گلزار کھلے ہیں
بل وقت کے ماتھے پہ یہاں جب بھی پڑے ہیں — ہم سر سے کفن باندھ کے میداں میں گئے ہیں
یہ کیسا گلستاں ہے نہ کلیاں ہیں نہ ہیں گل — سوکھے ہوئے پتوں کے یہاں ڈھیر لگے ہیں
منزل پہ خدا جانے میں پہنچوں کہ نہ پہنچوں — روکے ہوئے راہیں مرے احباب کھڑے ہیں
تکلیف بھلا پاؤں گا کس طرح میں ان کی — وہ طنز کے نشتر جو مرے دل میں گڑے ہیں
ان پر نہ ہنسو، ان میں اگر روشنی کم ہے — یہ میرے دیئے وقت کی آندھی سے لڑے ہیں
ہر چیز سے اے دوستو محبوب ہیں ہم کو — وہ زخم جو سوغات میں اُس در سے ملے ہیں
ہم کو بھی خدا کے لئے سینہ سے لگا لے — ہم بھی تو تری راہ میں مدّت سے کھڑے ہیں
اس دورِ ستمگر میں غنیمت اُنھیں سمجھو — طوفانِ حوادث کے مقابل جو کھڑے ہیں
بیشک نہیں اس دور میں کچھ تجھ سے تعلق — ماضی میں تو ہم تجھ سے ہی منسوب ہوئے ہیں
اُن قافلے والوں کا مقدر کوئی دیکھے — جو قافلے منزل پہ پہنچ کر بھی لٹے ہیں
اِک سانس بھی لینا مجھے دشوار ہے حافظؔ — احساس کے پتھر، مرے سینہ پہ دھرے ہیں

امیرِ شہر ہے جاہل خدا کی قدرت ہے

فاروق ارگلی فقیرؔ

ذلیل و خوار ہے عالم یہ اس کی قسمت ہے — امیرِ شہر ہے جاہل خدا کی قدرت ہے
نئی نئی سی زباں ہے نئی نئی سی لغت — شریف لفظ کا مفہوم اہلِ دولت ہے
ترا ڈسا ہوا پانی بھی مانگ لے تو بہت — میں تیرے نام سے واقف ہوں تو محبت ہے
مرے لہو سے ہوئی کائنات لالہ زار — چمن میں رنگِ بہاراں مری بدولت ہے
یہ جان کر بھی رہا کرتا ہوں اکثر خاموش — کہ جھوٹ دُنیا میں سب سے بڑی حقیقت ہے
اگر تو سچ کو سمجھ لے تو دُور ہو جائے — بہت پرانی جو دل میں ترے کدورت ہے
وہ جس کے ڈر سے لرزتی ہے میری جاں فاروقؔ — اسی کی خیر منانا مری ضرورت ہے

کتنی دُور اور یونہی چلنا ہے

اعجاز عسکری

رات بن میں جو مور ناچا ہے — کوئی پوچھے کسی نے دیکھا ہے
رین اندھیر ہے چڑھتا دریا ہے — اور مجھے اس کے پار جانا ہے
شہر سنسان ہوتا جاتا ہے — دن کا سورج سروں پہ آیا ہے
صبح ہوتے ہی آگے جانا ہے — رات کی رات کا بسیرا ہے
اے مرے شہر آرزو کے بتو! — کب کسے تم نے اپنا سمجھا ہے
ہم نے ان راستوں میں پھول کھلائے — جن سے تیرا دھیان گزرا ہے
دن کا بھولا جو رات تک لوٹے — کب اسے ہم نے بھولا سمجھا ہے
آج ان نوبہار ہونٹوں پر — میں نے اِک پھول کھلتے دیکھا ہے
چلنے والے تو چند گام چلے — راستہ ساری رات چلتا ہے
زندگی کی اُداس وادی سے — میں نے صدیوں تجھے پکارا ہے
اِک سیہ بھونرا کوئی دم کے لیے — پھول کی پنکھڑی پہ بیٹھا ہے
لٹتا جاتا ہے کاروانِ دل — سازِ امید ہے کہ بجتا ہے
اپنی کھوئی ہوئی کتاب کا آج — اِک ورق راستے میں پایا ہے
دل کسی دشت نارسائی میں — تیری یادوں کے پھول چنتا ہے
بیتے لمحوں کے زرد پھول لیے — موسم انتظار آیا ہے
کون جانے کہ تیری یاد کے ساتھ — کتنی صدیوں کا ہار اُتارا ہے
دوستو سن رہے ہو دور کہیں — کوئی آواز دیتا جاتا ہے
کتنے قرنوں کی دھول اڑاتا ہوا — اِک بگولا ادھر سے گزرا ہے
کچھ تو بدلو کہ اس فسانے میں — کون سا باب سب سے اچھا ہے
گھنے جنگل کے سونے مندر میں — روز کوئی دیا جلاتا ہے
سو گئے تم بھی سایۂ گل میں — اب مجھے تن تنہا جانا ہے
قافلے والو کچھ کہو کہ ہمیں
کتنی دور اور یونہی چلنا ہے

بقیہ— کھیل کے شوقین طلباء....

تمام تر جسمانی حالت اور صحت کو برقرار رکھنا، نگرانی کرنا اور اس کے لیے عمدہ اقدامات کرنا ایکسرسائز فزیلوجسٹ کی ذمہ داریوں میں شامل ہوتا ہے۔

ایتھلیٹک ٹرینر: اسپورٹس سائنس گریجویٹس کا یہ پسندیدہ کیریئر ہے اور اس میں یہ ایتھلیٹ کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ انھیں کھیلوں کے دوران یا ان کی وجہ سے ہونے والے زخموں اور بیماریوں کی تشخیص اور علاج کے بارے میں پتہ ہوتا ہے۔ ان کا کام ایتھلیٹ کو زخمی ہونے سے بچانا بھی ہوتا ہے۔ انھیں فرسٹ ایڈ اور ہنگامی صورتحال میں علاج کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ ان کے پاس انتظامی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں جیسے حادثات کی رپورٹ تیار کرنا وغیرہ۔

ڈائٹیشن اینڈ نیوٹریشن: بعض اوقات کھلاڑی کچھ ممنوعہ اشیا کھانے کے باعث کھیلوں میں مقابلے کے اہل نہیں رہتے۔ لہٰذا اپنے ایتھلیٹ کو ایسی کسی بھی صورتحال سے بچانے کے لیے اسپورٹس سائنس گریجویٹ اس کی غذا کا خیال رکھتا ہے۔ ایتھلیٹ کی جسمانی غذائی ضروریات کو دیکھتے ہوئے وہ اس کی ڈائٹ مرتب کرتا ہے۔

کوچ: یہ کیریئر بھی اسپورٹس سائنس گریجویٹ کا پسندیدہ شعبہ ہے۔ کوچ بن کر آپ مختلف لیول کے مقابلے کرواتے ہیں تاکہ ایتھلیٹ اور کھلاڑی فٹ رہیں۔ کوچ کا کام کھلاڑیوں کو صرف جسمانی طور پر فٹ رکھنا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ انھیں نفسیاتی طور پر بھی مضبوط بناتا ہے۔□□

بقیہ— پودینہ جو وٹامنز سے....

جائے تو معدے میں گرمی پیدا نہیں ہوگی اور آپ بہت تروتازہ محسوس کریں گے۔ پودینے کے پتے پانی میں ابال لیں اور اسے ٹھنڈا کر کے استعمال کریں۔ پودینے کی ایک اور خوبی اس کی منفرد اور تیز خوشبو ہے اسی لئے اسے کھانوں کی سجاوٹ کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور یہ خوشبو نہ صرف تھوک میں اضافہ کرتی ہے بلکہ کھانے کو مزید ذائقے دار بھی بنا دیتی ہے۔ اگر پودینے اور لیموں کا رس پانی میں ملا کر روز پیا جائے تو جلد تروتازہ رہتی ہے اور اس میں چمک بھی آجاتی ہے کیونکہ اس پودے میں بیرونی خوبصورتی کے کئی فوائد موجود ہیں۔ نہایت سستی اور باآسانی ملنے والی یہ جڑی بوٹی یا سبزی ہمارے لئے کس قدر افادیت لئے ہوئے ہے، آیئے دیکھتے ہیں۔ پودینہ تمام جلدی امراض میں بہت مفید ہے، جیسے خارش، کیل مہاسے اور گرمی دانے وغیرہ۔ پودینہ کی بڑی خوبی الرجی سے بچاؤ کی ہے۔ ایک شدید قسم کی الرجی جس سے جسم پر خارش ہوتی ہے اور سرخ نشان پڑ جاتے ہیں۔ اس میں پودینہ بہت فائدہ مند ہے۔ پودینے کے پتوں کی چائے بنا کر قہوہ کی طرح پیا جائے، اگر الرجی زیادہ ہو تو گلاب کے عرق میں پودینہ کے پتے ڈال کر ابالے جائیں اور صبح شام پیا جائے تو بہت جلد فائدہ ہوگا۔ بلڈ پریشر کے مریضوں کے لئے پودینہ اور لہسن کی چٹنی نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔ خواتین ایام شروع ہونے سے تین چار دن پہلے پودینہ کا جوشاندہ پینا شروع کر دیں تو ایام کھل کر آتے ہیں۔ پودینے میں وٹامن اور معدنی اجزا وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں لہٰذا پرینہ تازہ ہو یا خشک اس کا استعمال بہر حال لذت اور صحت کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔□□

بقیہ :—— دریچہ پاکستان

پہلوؤں کو معاشی ضروریات کے تابع ہونا چاہیے۔

دراصل مجموعی طور پر عمران خان نے پاکستان کو ایک نیا سیاسی ودفاعی نظام پہنچانے کے ساتھ پہلی مرتبہ سیاسی سطح پر یہ تسلیم کیا تھا کہ جب تک آپ عوام کی فلاح و بہبود کو یقینی نہ بنائیں تب تک آپ قومی ترقی اور قومی دفاع کے مطالبات کو غیر جانبداری کے ساتھ اور عوامی فلاح و بہبود کو فروغ نہیں دے سکتے۔ ان کی اب تک کی پالیسیوں اور بیانات سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ پاکستان کے عوام کی ترقی اور خوشحالی کے لیے پابند نظر آرہے ہیں اور وہ ایسے نئے تجربات کرنا چاہتے ہیں جس سے کہ عوامی ترقی اور خوشحالی کو آپ قومی ترقی اور خوشحالی میں تبدیل کر سکیں، لیکن ان کو پاکستان میں جن عناصر کا مقابلہ ہے، ان کی سوچ یہی رہی ہے کہ آپ عوام کی فلاح و بہبود کو پس پشت ڈال کر صرف اپنی یعنی کہ ملٹری، سیاسی اتحاد کی فلاح و بہبود کو یقینی بنائیں۔ ان کی ترجیحات میں عوامی فلاح و بہبود سب سے آخری ترجیح نظر آتی ہے۔ حالیہ عرصے میں عمران خان نے جس طریقے سے اپنی سوچ اور عملی منصوبوں کا اعلان کیا ہے اس سے نہ صرف ان کو اپنے سیاسی مخالفین بلکہ فوجی عملے سے بھی نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ کیونکہ گزشتہ 75 برسوں میں جس طرح پاکستانی فوج اور سیاسی جماعتوں نے ملک کے وسائل کو اپنی ذاتی ترقی کے لیے استعمال کیا ہے اور ایسا نظام بنانے میں کامیاب رہے ہیں جس میں ملٹری- سیاسی اتحاد ہمیشہ سب سے آگے رہے، اسے سال دو سال کے عرصے میں ختم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عمران خان کو ایک بڑے چیلنج کا سامنا ہے اور جب تک وہ عوامی حمایت حاصل کر پانے میں ناکام رہتے ہیں تب تک وہ عوام پر مرکوز اپنی پالیسیوں اور سوچ کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔ حالیہ عرصے میں جس طریقے سے ایک مرتبہ پھر فوج اور دیگر سیاسی پارٹیوں جیسے کہ پاکستان مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کے اشارے مل رہے ہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ پھر پاکستانی فوج اپنے سیاسی پٹھوؤں کو اقتدار میں لا کر اپنے مقاصد اور فوائد حاصل کرنے میں کامیاب رہے گی۔ جب تک عمران خان عوام کو ان سیاسی و معاشی الجھنوں سے پوری طرح باور کرا کے عوامی حمایت حاصل نہیں کر پاتے ہیں تب تک ان کے لیے اس نہج پر کام کرنا اور حکومت میں قائم رہنا آسان نہیں ہوگا۔ غالباً پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کوئی ایسا سیاست داں آیا ہے جو کہ ایک صاف شفاف حکومت اور عوامی خوشحالی کو یقینی بنانا چاہتا ہے لیکن اس کے راستے میں جو بھی روڑے اٹکائے جا رہے ہیں ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے بہت زیادہ سیاسی سوجھ بوجھ اور فوج کو ملک کے شہری نظام میں دخل اندازی نہ کرنے کی ضرورت ہے جو کہ موجودہ صورتحال میں بہت مشکل نظر آتی ہے۔

دنیا کا عظیم ترین
سکندر اعظم بھارت میں طاقت کا کیپسول
نیا بھروسہ ایک ہی کیپسول سے زبردست
طاقت و جسمانی کمزوری دور کریں
میڈیکل اسٹور سے خریدیں یا فون کریں:
09212358677, 09015270020

شرد یادو کی پارٹی کا آر جے ڈی میں انضمام، تیجسوی کا اپوزیشن کو متحد کرنے پر زور

سابق مرکزی وزیر اور سینئر سماجوادی لیڈر شرد یادو نے اپنی پارٹی لوک تانترک جنتا دل کا ۲۰/مارچ کو آر جے ڈی میں انضمام کر دیا۔ دہلی میں واقع ان کی رہائش پر اس کا باضابطہ اعلان کیا گیا۔ اعلان کے بعد شرد یادو اور تیجسوی نے اپوزیشن کے سبھی لیڈروں کو متحد ہونے کا اشارہ کیا ہے تاکہ موجودہ بی جے پی حکومت سے مقابلہ کیا جا سکے۔ اس موقع پر تیجسوی یادو نے اپوزیشن کو متحد کرنے اور بی جے پی حکومت کو شکست دینے کے لیے کانگریس کے ایک بڑے کردار کا تذکرہ کیا۔ ساتھ ہی تیجسوی نے ایک مشورہ دیتے ہوئے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ کس طرح کانگریس سبھی پارٹیوں کے ساتھ مل کر موجودہ حکومت کو ہرا سکتی ہے۔ حالانکہ تیجسوی نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا کہ اپوزیشن پارٹیوں نے حکومت سے لڑنے کی تیاری میں تاخیر کر دی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو ۲۰۱۹ء سے ہی ساتھ رہنا چاہیے تھا۔ شرد جی کا فیصلہ اس دور میں کافی حوصلہ بخش فیصلہ ہے۔ کانگریس کے کردار پر اپنی بات رکھتے ہوئے تیجسوی نے کہا کہ کانگریس ملک میں اپوزیشن کی سب سے بڑی پارٹی ہے۔ کانگریس کی جوابدہی اور ذمہ داری بڑی ہے۔ ہم نے ہر میٹنگ میں کہا ہے کہ بغیر کانگریس اپوزیشن کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کانگریس ساتھ میں رہے گی تبھی اپوزیشن کا تصور کر سکتے ہیں۔ تقریباً ۲۰۰ لوک سبھا سیٹوں پر کانگریس اور بی جے پی کی سیدھی لڑائی ہے، تو اگر ان سیٹوں پر کانگریس مضبوطی کے ساتھ تیاری کرے اور باقی سیٹ پر علاقائی پارٹی تیاری کریں تب کام آسان ہو سکتا ہے۔ اس دوران شرد یادو نے کہا کہ بہار کا آنے والا مستقبل تیجسوی یادو ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ انضمام ایک وسیع اتحاد کی طرف پہلا قدم ہے۔ ملک میں جو حالات ہیں، اس میں سارے اپوزیشن کو ایک ہونا چاہیے، اسی وجہ سے ہم نے سب سے پہلے یہ پیش قدمی کی ہے۔ پورے ملک میں اپوزیشن پارٹیوں کو ملا کر ہرانے سے ہی بی جے پی ہار سکتی ہے۔ تنہا کوئی پارٹی نہیں ہرا سکتی۔ انھوں نے مزید کہا کہ قومی سطح پر ہم یہ کوشش کریں گے اور لالو جی بھی باہر آجائیں گے۔ لالو اگر فرقہ واریت کے خلاف نہ لڑے ہوتے تو وہ جیل میں نہ ہوتے۔ پہلے سب کو ایک کرنا ہے اس کے بعد اس کا چہرہ کون ہوگا، وہ طے ہو جائے گا۔ اکھلیش سے بھی بات کریں گے، اپوزیشن سے بات کر کے گول بند کریں گے اور جمہوریت کو بچائیں گے۔ فلم کے ذریعہ نفرت پھیلائی جا رہی ہے، لیکن ملک میں بدلاؤ بہار سے ہوگا۔

بقیہ— جمہوریت میں تعلیم....

طالب علموں کے تجربات کو بہتر بنا سکیں اور ان کی شخصیت کی ہمہ جہت نشونما کو یقینی بنائیں۔ وہ ایک آمر نہیں ہے بلکہ ایک دوست، فلسفی، اسٹیج سیٹر، گائیڈ اور ایک چوکیدار نگران ہے۔ وہ مداخلت نہیں کرتا بلکہ تعاون کرتا ہے۔ وہ طلباء کو کافی آزادی، محبت اور ہمدردی فراہم کرتا ہے۔ وہ معروضی ہے۔ کسی بھی قسم کے تعصبات اور جانبداری سے پاک۔ وہ کمیونٹی کے ساتھ ہم آہنگی کا رشتہ برقرار رکھتا ہے۔ آخر میں، وہ اپنی زندگی میں جمہوری اصولوں پر عمل کرتا ہے۔ لہٰذا جمہوری نظام میں، استاد ایک اہم مقام رکھتا ہے کیونکہ وہ اسکول اور معاشرے میں جمہوری جذبات اور خیالات کو پھیلانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ وہ تبدیلی کا ایجنٹ اور اسکول میں جمہوری ثقافت کا سہولت کار ہے۔

جمہوری تعلیم میں اسکول کا انتظام

جمہوری اسکول انتظامیہ اور انتظامی اساتذہ کو اسکول کی پالیسی وضع کرنے یا اس کی منصوبہ بندی کرنے، سرگرمیوں کو منظم کرنے، نصاب کی تیاری، تدریس کے طریقوں کے انتخاب، تحقیق کرنے اور تدریس اور تعلیم میں جدت لانے میں کافی آزادی دی جانی چاہئے۔ اساتذہ اور سکھائے جانے والے اور اساتذہ اور منتظمین کے درمیان ہم آہنگی کا رشتہ غالب ہے۔ اگر ایڈمنسٹریٹر اور اساتذہ کے مابین لڑائی ہوتی ہے تو یہ ادارے کی سازگار فضا کو متاثر کرتی ہے۔ اس طرح کے تعاون ایک ادارے کے حوصلے بلند کرتی ہے۔ جمہوری تعلیم میں اساتذہ کی شراکت کی بہت تعریف کی جاتی ہے۔ اسکول کا پورا ماحول جمہوری اصولوں کی خوشبو سے پرجوش ہے۔ بالآخر، یہ صورت حال اس کے اسٹیک ہولڈرز یعنی طلباء کی انفرادیت کو بڑھانے میں مدد دیتی ہے۔

جمہوری تعلیم میں اسکول کا کردار

یہ جمہوری ماحول ہے جو انسانی شخصیت کے مکمل پھولوں کے لئے سازگار ہے۔ اسکول کو تمام طلباء کو جمہوریت کے بھاری وزن کے تحت بڑھنے کے لئے مکمل آزادی فراہم کرنی چاہئے۔ علاج اور مواقع کی مساوات ادارے کی حکمرانی ہونی چاہئے۔ اسکول کو ہر فرد کو نظم و ضبط، تخلیقی اور موافقت پذیر ہونے میں مدد کرنی چاہئے۔ اسکول کو کمیونٹی کی نقل کے طور پر کام کرنا چاہئے جہاں جمہوری نظریات کو نہ صرف نظریاتی طور پر پڑھایا جاتا ہے بلکہ عملی طور پر اس کی کثیر الجہتی سرگرمیوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ راس نے مناسب کہا، ؛اسکولوں کو انفرادی شہریوں کے فرائض اور ذمہ داریوں پر زور دینا چاہئے۔ انہیں طلباء کو خوشگوار آمادہ اور موثر خدمت کے جذبے سے تربیت دینا چاہئے۔ انہیں براہ راست شہریت سکھانی چاہئے۔ ہر جگہ ٹیم ورک کا جذبہ ہونا چاہئے۔ اسکول ایک تیار شدہ ماحول ہے جس میں بچہ بہترین پھول سکتا ہے۔□□

بقیہ— حدبندی کمیشن کی رپورٹ...

کہ اس کا بھی پارلیمنٹ میدار بنے کا حق ہے اور نشست ایس سی ریزرو ہونے سے وہ اس حق سے محروم ہو گیا ہے۔ ہائی کورٹ نے پہلی فرصت میں عرضی کو صرف اس بنیاد پر ہی خارج کر دیا کہ دفعہ ۳۲۹ (اے) کی آئینی جوازیت پر کسی بھی عدالت میں سوال نہیں اٹھایا جا سکتا۔ کوٹھاری نے عدالت عظمیٰ میں اس آرڈر کے خلاف اپیل کی جس پر فل بنچ نے تفصیلی فیصلہ دیا۔ اس میں مختلف امور پر روشنی ڈالنے کے بعد فیصلے میں حد بندی کمیشن کی نوٹیفکیشن کو صحیح قرار دیتے ہوئے مدھیہ پردیش ہائی کورٹ کے فیصلے کو ہی برقرار رکھا گیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حد بندی کمیشن رپورٹ کو اڈیشل سیکریٹری سے بھی مستثنیٰ کیوں رکھا گیا۔ اس پر عدالت عظمیٰ نے کوٹھاری فیصلے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اگر بندش نہ ہو تو پھر کسی بھی حلقہ کا رہنے والا کوئی بھی شہری رپورٹ کو چیلنج کرنے کورٹ پہنچ جائے گا، اس طرح سے ڈھیروں کے حساب سے عرضیاں کورٹ میں داخل ہو جائیں گی جس سے انتخابات کے انعقاد میں تاخیر ہوگی۔ عدالتوں پر حد درجہ کیسوں کا بوجھ بڑھے گا۔ کمیشن کی رپورٹ کے خلاف عرضیوں کا انبار لگ جائے گا، جن کا تصفیہ کرتے کرتے سالہا سال لگیں گے۔

مذکورہ آئینی بندش کے بعد حد بندی کمیشن کو جہاں بہت زیادہ اختیارات حاصل ہیں، تو وہیں پھر ذمہ داری بھی بہت زیادہ بن جاتی ہے کہ اسمبلی و پارلیمانی حلقوں کی حد بندی کرتے وقت قواعد وضوابط پر غیر جانبدارانہ طریقہ سے من وعن عمل درآمد کیا جائے۔ سنی سب کی جائے مگر قواعد کے دائرے میں رہ کر۔ حد بندی کمیشن ایکٹ ۲۰۰۲ء کی دفعہ دفعہ ۸ میں نشستوں کی تعداد کا تعین کرنے کے لئے آبادی اہم ہے۔ ایکٹ کی دفعہ ۹ کے مطابق حلقوں کی حد بندی میں جہاں تک ممکن ہو سکے جغرافیائی طور پر علاقہ کو یکجا رکھنے اور حد بندی کرتے ہوئے جغرافیائی خدوحال، انتظامی اکائیوں کی موجودہ حدود، مواصلات کی سہولیات اور عوامی آسائش کو ملحوظ نظر رکھنے کی بات کی گئی ہے۔ جموں و کشمیر کی موجودہ حد بندی کمیشن کی ڈرافٹ رپورٹ میں تو آبادی اور جغرافیائی خدوحال کا کوئی پاس ولحاظ ہی نہیں رکھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں انتظامی اکائیوں کی موجودہ حدود کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ ہوئی ہے۔ بہت سارے علاقے ایسے ہیں جن کا بی ڈی سی بلاک اور تحصیل ہیڈ کوارٹر دوسری جگہ ہے اور ان کا اسمبلی حلقہ کہیں اور بتایا گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حد بندی کمیشن نے جو سہ روزہ دورہ کیا تھا، اس میں سیاسی جماعتوں اور عوامی وفود کی طرف سے سینکڑوں کے حساب سے دی گئی ری پریزنٹیشنوں کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال کر صرف نقشہ دیکھ کر قلم چلایا گیا۔ توقع کی جا سکتی ہے کہ کمیشن کی حتمی رپورٹ حد بندی کمیشن ایکٹ ۲۰۰۲ء کی دفعات ۸، اور ۹ کے عین مطابق ہوگی۔□□

بقیہ :—— گاھے گاھے باز خواں...

کے پاس پختہ ثبوت بھی موجود ہے۔ ہمیں نہیں معلوم مسٹر راج ببر کا یہ خدشہ کس حد تک صحیح ہے مگر یہ ایک سچائی ہے کہ وہاں کے حالات جو فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر رہے ہیں۔ ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کے پیچھے کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ ملائم سنگھ اس وقت کمزور پوزیشن میں ہیں اقتدار ابھی ان کی ہابی بن چکا ہے۔ اس لیے اقتدار کے گلیاروں تک پہنچنے کے لیے اگر وہ پردہ کے پیچھے رہ کر بی جے پی کو اتر پردیش میں گجرات کا کھیل کھیلنے کا موقع دے دیں تو یہ کوئی انہونی بات نہیں ہوگی۔

جمعیۃ علماء ہند کے محترم صدر حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی مدظلہ کا علی گڑھ کے فساد پر اپنے غم و غصّہ کا اظہار کرتے ہوئے یہ مطالبہ بروقت اور انتہائی اہم ہے کہ افسران اور مقامی انتظامیہ کو اس فساد کا ذمہ دار قرار دیا جائے دو تین روز پہلے سے ہی حالات کشیدہ تھے اور کسی بھی وقت فساد بھڑک اٹھنے کا اندیشہ ظاہر کیا جا رہا تھا مگر پولیس اور انتظامیہ خاموش تماشائی بنی رہی اور بروقت کارروائی نہ کر کے اس نے شہر کو فساد کا شکار کرا دیا جو سراسر اس کی غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔ مولانا مدنی نے اس موقع پر عوام سے اپیل فرمائی ہے کہ وہ صبر وتحمل سے کام لے کر امن کی بحالی میں تعاون کریں۔

ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند مولانا سیّد محمود مدنی ایم۔ پی نے بھی وزیر اعظم کے نام ایک مکتوب تحریر فرما کر مطالبہ کیا ہے کہ فساد کی روک تھام کے لیے مؤثر کارروائی کی جائے شہر کو فوراً فوج کے حوالہ کیا جائے۔ شر پسند عناصر پر گہری نظر رکھی جائے اور شہریوں کا تحفظ یقینی بنایا جائے۔

ناظم عمومی مدظلہ کا یہ مطالبہ سو فیصد بروقت ہے کہ شہر کو فوج کے حوالہ کیا جائے اس لیے کہ یہ تجربہ رہا ہے کہ فساد زدہ علاقہ جب تک مقامی پولیس اور انتظامیہ کی تحویل میں رہتا ہے فساد گھٹنے کے بجائے بڑھتا ہی رہتا ہے اور جیسے ہی وہاں کا کنٹرول فوج سنبھال لیتی ہے۔ فسادی سمٹ کر اپنے بلوں میں گھس جاتے ہیں اور فساد کو بریک لگ جاتا ہے اس لیے فساد شروع ہوتے ہی اگر چوبیس گھنٹے کے اندر مقامی انتظامیہ فساد پر قابو پانے میں ناکام رہے تو اسے فساد کا ذمہ دار قرار دے کر ان کے خلاف کارروائی کی جائے اور فساد زدہ علاقہ کو فوراً فوج کے حوالہ کر دیا جائے۔ یہ ہی فساد روکنے کی ایک واحد تدبیر رہ گئی ہے جس پر بہر حال حکومت کو توجہ دینی چاہیے۔

اے ایم یو میں شیخ الہندؒ سے موسوم مسجد کے نام کی تبدیلی پر لوگوں میں اضطراب

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی انتظامیہ پر شیخ الہندؒ سے موسوم مسجد کے نام کی تبدیلی کی بات منظر عام پر آنے کے بعد نہ صرف علیگ برادی بلکہ محبانِ اے ایم یو میں اضطراب کی کیفیت پائی جارہی ہے۔ حالانکہ اس سے قبل بھی اے ایم یو انتظامیہ پر اردو زبان کے ساتھ دوہرا رویہ اختیار کرنے کا بھی الزام لگ چکا ہے۔ سرسید کے خوابوں کے تاج محل یعنی اے ایم یو کے سو برس مکمل ہونے پر پرانی چنگی پر بنے صدی دروازے پر اردو میں نام لکھنے سے بھی پرہیز کیا گیا تھا۔ اس کی خبر اخباروں میں شائع ہوئی تو اے ایم یو انتظامیہ نے صدی دروازے پر اردو زبان میں بھی پتھر لگایا۔ اب تازہ معاملہ اجمل خاں طبیہ کا یہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ہسپتال کیمپس میں تعمیر ہوئی مسجد کو عظیم مجاہد آزادی، معروف عالم دین شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نام سے منسوب کیا گیا تھا، اب جب سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس مسجد کو ایک غیر معروف شخصیت کے نام سے موسوم کردیا گیا ہے، عوام اور علیگ برادری میں بے چینی پائی جاتی ہے۔

اس سلسلے میں جانکاری دیتے ہوئے سابق کورٹ ممبر ڈاکٹر نوال الرحمٰن نے بتایا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اجمل خاں طبیہ کالج ہسپتال کیمپس میں تعمیر ہوئی مسجد کے متعلق اس کی تاسیس کے وقت طے پایا تھا کہ اسے معروف عالم دین شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نام پر مسجد محمود کے نام سے موسوم کیا جائے گا، مولانا محمود حسن تحریک آزادی کے اہم رہنماؤں میں تھے۔ تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات سے ان کا گہرا تعلق رہا ہے، اس کی پاداش میں انہیں مالٹا میں اسیری کی سزا دی گئی تھی۔ مولانا محمود حسن جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اہم بنیاد گزاروں میں ہیں، ان کی انہیں قومی وملی خدمات کے اعتراف میں طبیہ کالج ہسپتال کی مسجد کو ان کے نام معنون کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر کے مصارف کے لیے فنڈ کی فراہمی اور دیگر متعلقہ مسائل پر غور و خوض کے لیے ۱۷ر ستمبر ۲۰۱۲ء کو کالج کے پرنسپل ڈاکٹر سعود علی خاں کے دفتر میں پہلی میٹنگ ہوئی تھی، اس میں شرکت کرنے والوں میں پرنسپل ڈاکٹر سعود علی خان کے علاوہ پروفیسر خالد زماں خاں، ڈاکٹر بلال تفسیر، ڈاکٹر محمد سلمان اور ظہیر خاں کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ اس موقع پر متفقہ طور پر طے پایا تھا کہ مسجد محمود کے تعمیراتی کاموں کے لیے اہل خیر حضرات سے تعاون کی جو رقم آئے گی اس کے رکھ رکھاؤ کے لیے ڈاکٹر سعود علی خاں اور ڈاکٹر بلال تفسیر کے نام سے ایک جوائنٹ اکاؤنٹ کھولا جائے، یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس مسجد کی تعمیر خالصتاً طلبہ و اساتذہ کے عطیات اور کچھ دوسرے بہی خواہوں کے مالی تعاون سے ہوئی ہے۔ ۱۳ر دسمبر ۲۰۱۲ء کو اس مسجد کا سنگ بنیاد جمعیۃ علماء کے صدر مولانا ارشد مدنی اور حج کمیٹی کے سابق چیئرمین سلامت اللہ خاں کے ہاتھوں رکھا گیا تھا، اس موقع پر یونیورسٹی کے تمام اعلیٰ ذمہ داران وائس چانسلر لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ، پی وی سی بریگیڈیئر سید احمد علی، رجسٹرار شاہ رخ شمشاد اور سیکڑوں کی تعداد میں یونیورسٹی کے طلبہ و اساتذہ اور دوسرے اراکین موجود تھے۔ پھر یہ افسوسناک بات سامنے آئی کہ مسجد کی تعمیر کے بعد حسب تجویز مسجد محمود کے نام کا کتبہ تو لگا لیکن اس کتبہ میں پرنسپل موصوف نے یہ لکھوادیا کہ یہ مسجد ان کے والد مرحوم حاجی محمود علی خاں کی یاد میں تعمیر ہوئی ہے اور اس کے بیشتر مصارف کا انتظام پرنسپل موصوف اور ان کے اعزہ واقارب کے ذریعہ کیا گیا ہے۔

یہ دونوں باتیں خلاف واقعہ ہیں، خاص بات یہ ہے کہ ڈاکٹر سعود علی خان نے یہ کتبہ ۳۱ر اگست ۲۰۲۱ء کو اس دن لگوایا جس دن وہ کالج سے اپنی مدت ملازمت پوری کر کے سبکدوش ہو رہے تھے، ان کے اس غیر اخلاقی قدم سے کالج کے طلبہ و اساتذہ میں سخت غم وغصہ ہے کہ انہوں نے اپنے خصوصی اختیارات کا غلط استعمال کیا اور مسجد محمود جو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نام موسوم تھی اسے اپنے والد کے نام منسوب کردیا، ان کا یہ طرزِ عمل سراسر گمراہ کن ہے۔ ڈاکٹر سعود علی خاں کے اس عمل سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو شدید ٹھیس پہنچی اور چونکہ یہ مسئلہ مسجد کا ہے، اس کے باعث مختلف اساتذہ نے اس حوالہ سے اے ایم یو وائس چانسلر کو ایک مکتوب بذریعہ ڈین فیکلٹی آف یونانی میڈیسن اور پرنسپل اجمل خاں طبیہ کالج اے ایم یو علی گڑھ ۸ر فروری ۲۰۲۲ء کو بھیجا اور قوی امید تھی کہ اے ایم یو وائس چانسلر مسئلے کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے اس کے حل کے لیے فوری اقدام کریں گے لیکن ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزرنے کے باوجود ابھی تک مایوسی ہاتھ لگی۔

واضح رہے کہ اے ایم یو میں عمارتوں کو اہم قومی وملّی شخصیتوں کے نام سے موسوم کرنے کی دیرینہ روایت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ نئی نسل کو اپنے اکابرین کے کارہائے نمایاں سے روشناس کرایا جاجائے اور انھیں خراج عقیدت پیش کیا جائے، جس سے نئی نسل کو روشنی اور حوصلہ مل سکے، واضح رہے کہ ریشمی رومال تحریک علمائے کرام کی جانب سے ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۰ء کے درمیان شروع کی گئی تحریک ہے۔ اس کا مقصد جرمنی، ترکی اور افغان کی مدد سے ہندوستان کو آزاد کرانا تھا۔ اس تحریک کے بانی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ہیں اور تحریک سے وابستہ لوگوں میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ، عزیر گل پشاوری دیوبندی کے دیگر تلامذہ ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں عالمی جنگ چھڑنے کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے محسوس کیا کہ وہ وقت قریب آگیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے جنگ شروع کی جاسکتی ہے۔ اس لیے انھوں نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو افغانستان جانے کا حکم دیا اور خود باز و خلافت عثمانیہ کا سفر کیا۔ پھر ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو کابل جانے کو کہا۔ مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان جانے کے لیے ان کی بیوی اور بیٹیوں نے اپنے زیورات فروخت کر کے زادِ راہ کی فراہمی کی تھی، ۱۵ر اگست ۱۹۱۵ء کو افغانستان کی سرحد میں داخل ہوئے، یہ حسن اتفاق ہی ہے کہ یہی ۱۵ر اگست ہندوستان کی آزادی کی تاریخ ہوئی۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے جب حالات سے حضرت شیخ الہند کو مطلع کرنا ضروری سمجھا تو زرد رنگ کے تین ٹکڑے ریشمی کپڑے پر تین خط لکھ کر ۹ر جولائی ۱۹۱۶ء کو عبدالحق کو دیا اور ہدایت دی کہ یہ خطوط شیخ عبدالرحیم سندھی کو پہنچا دیں۔ ریشمی رومال کے اس خط کو ریشمی رومال تحریک یا ریشی خطوط تحریک کہتے ہیں لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر یہ حکومت کے ہاتھ لگ گئے۔ ان ریشمی کپڑوں پر لکھے گئے ان تین خطوط میں، پہلا خط شیخ عبدالرحیم سندھیؒ کے نام تھا، جو چھ انچ لمبا اور پانچ انچ چوڑا تھا، دوسرا اور تیسرا خط حضرت شیخ الہندؒ کے نام تھا، دوسرا خط دس انچ لمبا اور آٹھ انچ چوڑا تھا۔ تیسرا خط پندرہ انچ لمبا اور دس انچ چوڑا تھا۔ اب ایسے میں یہ لوگوں کے درمیان یہ چاہے کہ جب ملک میں ملّی تشخص کو پامال کرنے، اس کے مٹانے کی سازشیں عام ہیں جسے ہر ذی عقل وفہم بخوبی سمجھ رہا ہے، ایسے میں اگر ہم خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی تاریخ کو مسخ کر کے اپنے اکابرین کے کارہائے نمایاں سے آئندہ نسلوں کو روشناس نہیں کرائیں گے تو پھر کون کرائے گا۔ وہیں علیگ برادری کے درمیان مسلم یونیورسٹی انتظامیہ کی جانب سے سرد مہری اور خاموشی نہ صرف حیران کن ہے بلکہ یہ خاموشی مجرمانہ ثابت ہورہی ہے، اے ایم یو انتظامیہ کو فوری اقدام کرتے ہوئے اس مسجد کو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نام سے موسوم کرنے کی ٹھوس کارروائی کرنی چاہیے، ورنہ اس سلسلہ میں تساہلی کو آئندہ نسلیں بھی معاف نہیں کریں گی۔ اس سلسلہ میں جب اخباری نمائندوں نے اے ایم یو پی آر او عمر پیرزادہ سے بات کرنے کی کوشش کی تو فون کے باوجود بھی بات نہیں ہوسکی، پھر اس سلسلے میں ایس ایم ایس کیا لیکن اب تک کوئی جواب نہیں آیا۔ □□

جمعیۃ علماء ہند کے محترم صدر حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی کی زیر سرپرستی

زیتون انٹرنیشنل اکیڈمی میں حفاظ طلبہ کی دستار بندی

مہتمم دارالعلوم دیوبند مفتی ابوالقاسم نعمانی نے بچوں کو آڈیو کے ذریعہ نصیحت کرتے ہوئے مبارکباد پیش کی

ہاپوڑ: ضلع ہاپوڑ کے اسکول زیتون انٹرنیشنل اکیڈمی میں حفاظ طلبہ کی دستار بندی کی تقریب انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ منعقد کی گئی جس کی سرپرستی جمعیۃ علماء ہند کے صدر حضرت مولانا محمود اسعد مدنی نے کی اور مہمانِ خصوصی کے طور پر مفتی سیّد سلمان منصور پوری کے کو مدعو کیا گیا۔ نظامت کے فرائض احمد وقاص اور اخلد منیر نے بحسن وخوبی انجام دیئے۔ پروگرام کا آغاز کیف انصاری کی تلاوت کلام پاک اور عبدالرحمٰن کی نعت پاک سے ہوا۔ بعدازاں پروگرام کے ابتدائی مرحلے میں دو طلبہ (دانیال وثمامہ ریاض) نے سورہ والتین کا اُردو انگلش ترجمہ خوبصورت انداز میں سنایا، ساتھ ہی ساتھ دیگر طلبہ نے بھی سبق آموز مکالمے، بہترین انداز میں پیش کیے۔ اس کے بعد ۲۶ حفاظ کی دستار بندی عمل میں آئی۔ اسی دوران احمد وقاص نے خوبصورت لہجہ میں حفاظ کی شان میں نظم پیش کی۔ دستار بندی کے موقع پر مولانا نے حفاظ اساتذہ نیز والدین کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا محمود مدنی نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس عمل سے والدین کی جنت میں تاج پوشی کرے گا جو آفتاب سے زیادہ چمکدار وروشن ہوگا۔ اسی بات کا لحاظ کرتے ہوئے ہم دنیا میں تاج پوشی کررہے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اور بہت ساری بیش قیمتی باتیں گوش گزار کیں۔ مفتی سلمان منصور پوری، مفتی محمد شوکت، قمر الدین، حاجی یاسین قریشی، قاری نفیس الرحمٰن مرادآبادی سمیت دیگر افراد نے شرکت فرما کر حفاظ طلبہ کی محنتوں کی ستائش کرتے ہوئے خوش دلی کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر مقدم (ڈائریکٹر زیتون انٹرنیشنل اکیڈمی) نے ویڈیو میسیج کے ذریعہ حفاظ کی غیر معمولی کامیابی پر انھیں مبارکباد پیش کی۔ مہتمم دارالعلوم دیوبند مفتی ابوالقاسم نعمانی نے بچوں کو آڈیو کے ذریعہ نصیحت فرماتے ہوئے مبارکباد پیش کی۔ اسکول کے پرنسپل مشیر الزماں نے بھی طلبہ کو مبارکباد پیش کی۔ واضح ہو کہ متذکرہ زیتون انٹرنیشنل اکیڈمی ایک ایسا اسکول ہے جس میں علوم عصریہ کے ساتھ ساتھ علوم دینیات پر خاص توجہ دی جاتی رہی ہے۔

مراسلات

ادارہ کا مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

آج کی خواتین کیلئے خوداعتمادی کیوں ضروری؟

مکرمی! ہم تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہر دور میں مردوں کے شانہ بشانہ خواتین نے عزم وحوصلے اور طاقت وبہادری کے ناقابلِ فراموش کام انجام دئے ہیں۔ رضیہ سلطان، چاند بی بی، مہارانی لکشمی بائی، بیگم حضرت محل، اہلیہ بائی، رانی درگاوتی، نواب شاہ جہاں بیگم اور سلطان جہاں بیگم وغیرہ تو اِسکی بڑی مثالیں ہیں لیکن اِن کے علاوہ بھی ایسی کتنی ہی خواتین ہیں جنھوں نے ناموافق حالات کے باوجود تاریخ پر اپنے نقوش ثبت کئے ہیں۔ آزادی کے بعد کی جمہوری آب وہوا میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ خواتین کا ہندوستانی معاشرہ میں کردار اور مستحکم ہوتا، اُنہیں سیاسی و سماجی میدانوں میں آگے بڑھنے کے مواقع ملتے لیکن جمہوری نظام کے قیام سے آج تک عملی سیاست اور سماجی خدمت کے شعبوں میں خواتین کی شرکت کافی محدود رہی ہے۔ سروجنی نائیڈو اور ہیرا بائی ایسی اول خواتین ہیں جن کو کافی کوشش کے بعد الیکشن لڑنے کے لئے راضی کیا گیا چنانچہ سروجنی نائیڈو ملک کی پہلی خاتون گورنر بنیں اور جواہر لال نہرو کی بہن وجے لکشمی پنڈت ہندوستان کی پہلی خاتون سفیر کے عہدہ پر فائز ہوئیں۔ بعد کے عرصہ میں جو الیکشن ہوتے رہے اُن میں خواتین امیدواروں کی تعداد الیکشن کمیشن آف انڈیا کے مرتب اعداد وشمار کے مطابق درج ذیل رہی۔

ہندوستان کی پہلی پارلیمنٹ کے الیکشن میں ۵۱ خاتون امیدواروں نے حصہ لیا، ۱۹۵۷ء میں ۷۰ خاتون امیدواروں میں ۱۲۷ الیکشن میں کامیاب ہوئیں، ۱۸۶۲ء میں ۶۵ اور ۱۹۶۷ء میں ۴۴ خواتین الیکشن میں کھڑی ہوئیں جن میں سے علی الترتیب ۳۳ اور ۳۸ کامیاب ہوئیں، ۱۹۷۱ء کی پارلیمنٹ کیلئے خاتون امیدواروں کی تعداد تو ۸۶ تھی لیکن کامیاب صرف ۲۱ ہوئیں، ۱۹۷۷ء میں ۷۰ خواتین الیکشن لڑا جن میں کامیابی ۱۹ کو ملی، ۱۹۸۲ء میں جنرل الیکشن میں ۱۴۲ خواتین میدان میں تھیں جن میں سے ۲۸ منتخب ہوئیں، ۱۹۸۴ء میں ۱۶۱ میں ۴۲ منتخب ہوکر لوک سبھا میں پہنچیں جبکہ ۱۹۸۹ء میں ۱۹۸ خواتین نے قسمت آزمائی اور صرف ۲۵ کو سرخروئی نصیب ہوئی۔ ۱۹۹۱ء میں ۳۲۵ خاتون امیدواروں میں ۳۵ ہی منتخب ہوسکیں بعد کے تین پارلیمانی الیکشن میں بھی کم وبیش یہی صورت حال رہی تاہم آزادی کے ۶۶ برس کے دوران اندرا گاندھی، سچیتا کرپلانی، جے للتا، ممتا بنرجی مایاوتی، اوما بھارتی اور پرتبھا پاٹل جیسی خواتین نے سیاست کو زینہ بنا کر عروج کی منزلیں طے کیں۔

مذکورہ خواتین کے نام یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں کہ عملی سیاست میں بحیثیت مجموعی خواتین کی شرکت میں بتدریج اضافہ ہوا تاہم یہ خاطر خواہ نہ رہا، اِس کی وجہ پُرانے نظریات پر مشتمل ہمارا معاشرتی نظام ہے جس میں سیاست کو اچھا نہیں سمجھا جاتا اور اُس میں شریف گھرانے کی عورتوں کا داخلہ تو ناپسندیدہ عمل ہی شمار ہوتا ہے۔ حالانکہ آج کے روزافزوں ترقی کے دور سے یہ نظریہ میل نہیں کھاتا، خاص طور پر اِس لئے بھی کہ جس طرح کوئی پرندہ ایک پر سے پرواز نہیں کرسکتا، اُسی طرح کوئی بھی معاشرہ عورت کو نظر انداز کر کے ترقی کی راہ پر آگے نہیں بڑھ سکتا، کیونکہ عورت معاشرہ کے پرندے کا دوسرا پر ہے، جب تک عورت کو ترقی کے ہمہ جہتی مواقع میسر نہیں آئیں گے یا اُسے سماجی سرگرمیوں میں مساوی حصہ نہیں ملے گا، ہمارا معاشرہ مثالی نہیں بن سکتا۔ اگر ملک کو واقعی ترقی کرنا ہے تو خواتین کی ملک میں ۴۸ فیصد آبادی کو اُس کا جائز حصہ دینا ہوگا، اُس میں خود اعتمادی، خود کفالتی اور خود انحصاری کا احساس جگانا ہوگا، خود اعتمادی کی یہ ضرورت وقت کے ساتھ اِس لئے بھی بڑھ رہی ہے کہ آج خواتین زندگی کے مختلف شعبوں میں کام کرتی نظر آتی ہیں، اگر اُن میں خود اعتمادی نہیں ہوگی تو نہ وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرسکیں گی، نہ حوصلہ وہمت سے پیش رفت ہی کر پائیں گی، یہ خود اعتمادی اپنے آپ پر اور اپنی صلاحیتوں پر یقین کر کے کوشش و محنت کرنے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

آج کی خواتین کا دائرۂ عمل اُن کے گھر کی چہار دیواری ہو یا کھُلی پڑی دنیا کی بسیط فضا، دونوں ہی میں کام کرنے اور آگے بڑھنے کے لئے خود اعتمادی کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے اور اُسے محنت، لگن، قابلیت سے جلا ملتی ہے۔ آج کی ہنگامی زندگی کا ہر دن غیر متوقع سانحوں سے دوچار ہوتا ہے، گھر ہو یا باہر حادثات ہونے میں دیر نہیں لگتی، نہ کوئی واقعہ پہلے سے آگاہ کر کے آتا ہے، بارہا خواتین کو تنِ تنہا اُن کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جس میں سب سے زیادہ اُن کی خود اعتمادی معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔ عام طور پر شہر میں رہنے والی عورتیں پڑھی لکھی ہوتی ہیں، کام کرتے کرتے اُنہیں تجربہ بھی حاصل ہوجاتا ہے، ایسی عورتوں کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہونا فطری ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی استعمال کریں، ایسی خواتین کی تعداد بھی اب معاشرہ میں بڑھتی جارہی ہے جو گھریلو زندگی کے ساتھ ملازمت بھی کررہی ہیں، اِس طرح اُن کی ذمہ داری دوہری اور تہری ہوجاتی ہے، ملازمت کے پیشہ میں اجنبی و نامانوس ماحول میں اپنے افسروں، ساتھیوں یا ماتحتوں کے ساتھ کام کرنا، دوسرے اپنے گھر، شوہر، بچوں اور عزیزوں سے متعلق ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے انجام دینا پڑتا ہے، ایسی خواتین کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے لیکن خوشگوار زندگی اُن ہی خواتین کو میسر آتی ہے جو خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال ہوتی ہیں۔

خواتین میں خود اعتمادی کے حصول کا انحصار بہت کچھ اُن کے خاندانی پس منظر اور گھریلو تربیت پر بھی ہوتا ہے۔ جہاں تک تعلیم کا سوال ہے تو وہ اُنہیں پیش آئند مسائل کو حل کرنے کا سلیقہ عطا کرتی ہے اور حالات سے مقابلہ کرنے کی برداشت بھی بڑھادیتی ہے لیکن خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر کا حوصلہ خود بڑھائیں، ایسی خواتین اپنے ساتھ اپنے شوہروں اور بچوں کو بھی خود اعتماد بنانے میں مددگار بن جاتی ہیں اور گھر و باہر کی ذمہ داریاں بخوبی نبھا کر دوسروں کے لئے مثال ثابت ہوتی ہیں اور ایسے نشان چھوڑ جاتی ہیں جو آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر مرضیہ عارف (بھوپال)

ALJAMIAT (URDU WEEKLY) NEW DELHI Postal Registration No. DL(C)-01/1267/2021-23
Publishing Date: 8 March 2022 Posting Days MON. TUE. at N.D.P.S.O. New Delhi R.N.I. 38985/82

منظر پس منظر — عارف عزیز، بھوپال

•امیدواروں کے انتخاب کا نیا طریقہ •قانون سازی کے طریقہ پر عدلیہ کی تنقید

•عدالتی فیصلوں کا انتخابات میں استعمال

امیدواروں کے انتخاب کا نیا طریقہ

جمہوریت کا اسکول کہے جانے والے پنچایتی راج اداروں کے تعلق سے اڈیشہ سے آئی یہ خبر بھلے ہی دستوری دفعات سے متعلق سوال اٹھاتی ہو لیکن عوامی شعور کی بیداری کی یہ انوکھی مثال ہے۔ اڈیشہ میں گزشتہ ماہ منعقد پنچایت انتخابات کے لئے سندرگڑھ ضلع کے مالو پاڑا کے دیہاتیوں نے سرپنچ عہدہ کے لئے میدان میں اترنے کے خواہشمند دعویداروں کا نہ صرف تحریری و زبانی امتحان لیا، بلکہ باقاعدہ امتحان کے نتائج جاری کرنے کی تیاری بھی کی۔ دیہاتیوں نے مستقبل کے سرپنچوں سے پوچھا ہے کہ اگر منتخب ہوئے تو گاؤں کی ترقی کے لئے ان کے پانچ اہداف کیا رہنے والے ہیں؟ یہ بات صحیح ہے کہ جمہوری عمل میں ہر اہل فرد کو انتخابات میں مقابلہ کرنے کا حق ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس داخلہ امتحان کے نتائج سے غیر مطمئن ہو کر بھی کوئی

ہماری سیاسی جماعتیں رائے شماری کی بنیاد پر امیدوار منتخب کرنے کی باتیں ضرور کرتی ہیں، لیکن جب امیدوار سامنے آتے ہیں تو ان کو دیکھ کر لگتا ہے کہ سیاست میں آئی گراوٹ کو اپنانے میں کوئی بھی جماعت پیچھے نہیں رہنا چاہتی۔

میدان میں اتر جائے، لیکن گاؤں کا سربراہ طے کرنے کا یہ نسخہ بتاتا ہے کے عوام سیاسی جماعتوں کی جانب سے امیدواروں کے انتخاب کے عمل سے مطمئن نہیں ہیں۔ چھوٹی سطح پر ہی سہی مگر یہ پہل سبھی سیاسی جماعتوں کے لئے کارپوریشنوں سے لیکر اسمبلی و پارلیمنٹ تک کے انتخابات میں امیدوار منتخب کرنے کی ایک راہ بن سکتی ہے۔ ابھی تک تو یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ انتخابات کے ہر موقع پر ہماری سیاسی جماعتیں امیدواروں کے انتخاب کے وقت داغی، باغی سے لیکر دولت کی طاقت و بازو کی طاقت سے تولنے کا کام کرتی ہیں۔ سیاسی جماعتیں ذات پات کی بنیاد پر بھی امیدوار کی ہار جیت کا حساب لگا کر ٹکٹ دیتی ہیں تو آزاد امیدوار خود کو عوام کے ٹکٹ پر اترے امیدوار بتانے سے نہیں چوکتے۔ ایسے میں سماج کا بیدار طبقہ ہی ایسے لوگوں کو قیادت حوالے کرنے کی پہل کرسکتا ہے کہ جنہیں حقیقت میں عوامی نمائندہ بننے کا حق ملنا چاہیے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری سیاسی جماعتیں رائے شماری کی بنیاد پر امیدوار منتخب کرنے کی باتیں ضرور کرتی ہیں، لیکن جب امیدوار سامنے آتے ہیں تو ان کو دیکھ کر لگتا ہے کہ سیاست میں آئی گراوٹ کو اپنانے میں کوئی بھی جماعت پیچھے نہیں رہنا چاہتی۔

اڈیشہ کی اس مثال کے وقت اور مخالفت میں سوال ضرور اٹھ سکتے ہیں، لیکن عوام کو یہ جاننے کا حق تو ملنا ہی چاہیے کہ جسے وہ پانچ سال کے لئے اپنی قسمت ساز بنانا چاہ رہے ہیں، اسے آخر کیوں ووٹ دیا جائے؟ ورنہ ریاست میں مجرمین کے لئے جو راستہ قانونی دفعات کے باوجود کھلا ہوا ہے، اسے بند کرنا مشکل ہی ہوگا۔ الیکشن کمیشن کے ساتھ ساتھ سیاسی جماعتوں کو بھی ایسا عمل اختیار کرنا چاہیے جس سے صاف ستھری شبیہ کا امیدوار ہی عوام کا نمائندہ بن سکے اور وہ لوگوں کی خدمت کا کام ذمہ داری سے انجام دے۔

قانون سازی کے طریقہ پر عدلیہ کی تنقید

ہندوستان میں حالیہ عرصہ میں جتنے بھی قوانین تیار ہوئے تقریباً تمام قوانین پارلیمنٹ کے اندر کسی تعمیری اور تفصیلی بحث کے بغیر منظور کر لئے گئے ہیں۔ بیشتر قوانین پر تو چند منٹ کے اندر اندر کارروائی کو مکمل کر کے منظوری دے دی گئی جس کی بنا پر یہ تاثر عام ہوتا جارہا ہے کہ پارلیمنٹ کا کام محض قانون سازی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ ملک و قوم کو درپیش مسائل اور اہمیت کے حامل امورِ خارجہ و داخلی پالیسی، حکومت کی ترقیاتی اور فلاحی اسکیمات، اپوزیشن کی تجاویز اور رائے حاصل کرنے کا کام وغیرہ سب عملاً پارلیمنٹ سے ختم ہوگیا ہے۔ پارلیمنٹ میں اپوزیشن کی جانب سے سوال پوچھے جارہے ہیں۔ حکومت جواب دینے کو تیار نہیں ہے۔ حکومت محض چند بلز تیار کرتی ہے اور انہیں ایوان میں پیش کرتے ہوئے ہنگامہ آرائی اور شور شرابہ کے دوران منظور کروالیا جاتا ہے۔ پھر حکومت کو لگتا ہے کہ اسے فراغت ہوچکی ہے۔ اپوزیشن کے سوال بھلے ہی دھرے کے دھرے رہ جائیں، اہم امور چاہے کتنے ہی اہم ہوں لیکن ان پر بحث ہو چاہے نہ ہو لیکن حکومت کے قوانین ضرور بن جانے چاہئیں۔ اس صورتحال نے ملک کے ہر ذی فہم اور باشعور شہری کو پریشان کر رکھا ہے۔ لوگ یہ سوال کرنے لگے ہیں کہ آیا پارلیمنٹ میں محض صرف چند بلز کو منظوری دلانا ہی حکومت کا کام رہ گیا ہے۔ اسی صورتحال نے چیف جسٹس آف انڈیا جسٹس این وی رمنا کو بھی پریشان کیا ہے۔ اس پر وہ بھی متفکر ہوگئے ہیں۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنے ریمارکس میں کیا ہے۔ خاص طور پر ملک میں جس طرح مباحثہ کے بغیر قوانین بنائے جارہے ہیں اس پر چیف جسٹس نے تشویش کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے موجودہ صورتحال کو انتہائی ابتر قرار دیا اور کہا کہ پارلیمنٹ میں مناسب مباحث نہیں ہورہے ہیں۔ چیف جسٹس کا کہنا تھا کہ مباحثہ نہ ہونے کی وجہ سے قوانین پر بھی کوئی واضح صورتحال سامنے نہیں آتی۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ قانون بنانے کا مقصد کیا ہے۔ یہ عوام کا نقصان ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ صورتحال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وکلا اور دانشوران ایوان میں نہ ہوں۔ یہ ریمارکس عوام کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ آج ملک بھر میں یہ صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ حکومت من مانی کررہی ہے۔ اپوزیشن کے سوالات اور ان کی تجاویز کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی ہے۔ حکومت کے رویہ سے ایسا لگتا ہے کہ وہ ملک میں اپوزیشن کے وجود ہی کو برداشت کرنے یا تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ اہمیت کے حامل قوانین اور امور پر بھی حکومت کسی کی رائے حاصل کرنے کو تیار نہیں ہے۔ دیرینہ مسائل پر اگر قوانین بنائے جارہے ہیں تو ان پر بھی ایوان میں مباحثہ کی اجازت نہیں دی جارہی ہے۔ بلز کو پیش کرتے ہوئے اپوزیشن کے شور شرابہ اور ہنگامہ آرائی کے درمیان اکثریت کے بل بوتے پر قوانین منظور کروائے جارہے ہیں۔ طاقت کے بل پر کام کیا جارہا ہے جبکہ یہ ہندوستان کی روایت بھی نہیں رہی ہے۔ ہندوستان نے ہمیشہ اختلاف رائے کا احترام کیا ہے۔

عدالتی فیصلوں کا انتخابات میں استعمال

ہندوستان میں عدالتوں اور نظام عدلیہ کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا ہے کیونکہ عدالتیں غیر جانبدارانہ انداز میں اور ثبوت و شواہد کی بنیاد پر کام کرتی ہیں۔ عدالتی فیصلوں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جانا چاہئے تاہم دیکھا گیا ہے کہ حالیہ عرصہ میں ملک میں مسلح افواج کے کارناموں اور اب عدالتی فیصلوں کا بھی سیاسی استعمال ہورہا ہے۔ عدالتی فیصلوں کا حوالہ دیتے ہوئے سیاسی فائدہ حاصل کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور یہ کوششیں ملک کے اقتدار اعلیٰ کی جانب سے بھی ہورہی ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ اتر پردیش میں اسمبلی انتخابات ہورہے ہیں اور وہاں اقتدار کی دعویدار مختلف جماعتوں کی جانب سے پوری شدت کے ساتھ مہم چلائی جارہی ہے۔ بی جے پی اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے کئی طرح کے طریقے اختیار کررہی ہے۔ انتخابی مہم میں ووٹرس کو دھمکانے اور ڈرانے سے بھی گریز نہیں کیا جارہا ہے۔ ارکان اسمبلی ووٹرس کو اس راشن کا حوالہ بھی دے رہے ہیں جو حکومت نے کورونا بحران کے دوران تقسیم کیا تھا۔ ہر طرح سے ووٹروں کو رجھانے کی کوششیں ہورہی ہیں، اس کے باوجود بی جے پی کو عوام کی خاطر خواہ تائید حاصل نہیں ہورہی ہے۔ لہذا اس کی طرف سے اب عدالتی فیصلوں کا بھی سیاسی مفاد کے لئے استعمال ہورہا ہے۔ پہلے تو سارے اتر پردیش میں بی جے پی کی جانب سے رام مندر کی تعمیر کو اپنی کامیابی کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ رام مندر کی تعمیر کی راہ سپریم کورٹ کے فیصلے کے ذریعہ ہموار ہوئی ہے۔ عدالت نے عقیدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندر کی تعمیر کے حق میں فیصلہ دیا اور اس کے لئے ٹرسٹ بھی قائم کرنے کی ہدایت دی تھی۔ عدالت کے فیصلے کو بی جے پی اپنے کارنامے کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے لیکن اتر پردیش کے عوام کی بڑی تعداد نے اس بیان بازی کو قبول نہیں کیا بلکہ اسے عدالتی فیصلے کا نتیجہ ہی قرار دیا ہے۔ ریاست کے عوام بی جے پی سے مہنگائی، بیروزگاری اور دوسرے مسائل پر سوال کررہے ہیں جن کا بی جے پی عوام کو جواب دینے کے موقف میں نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد وزیراعظم نے بھی اتر پردیش کی انتخابی مہم میں حصہ لینے کے بعد خود ایک عدالتی فیصلے کو سیاسی فائدہ کے لئے استعال کرنے کی کوشش کی۔ گذشتہ دنوں عدالت نے احمد آباد سلسلہ وار بم دھماکوں کے مقدمہ میں کئی ملزمین کو سزائے موت سنائی اور کچھ کو سزائے عمر قید بھی دی گئی ہے۔ عدالت نے ثبوت و شواہد کی بنیاد پر فیصلہ کیا جو عدالتی عمل کا حصہ تھا۔ تاہم وزیراعظم نے اس فیصلے کو بھی اپنے سیاسی فائدہ

گذشتہ دنوں عدالت نے احمد آباد سلسلہ وار بم دھماکوں کے مقدمہ میں کئی ملزمین کو سزائے موت سنائی اور کچھ کو سزائے عمر قید بھی دی گئی ہے۔ عدالت نے ثبوت و شواہد کی بنیاد پر فیصلہ کیا جو عدالتی عمل کا حصہ تھا۔ تاہم وزیراعظم نے اس فیصلے کو بھی اپنے سیاسی فائدہ کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی۔

کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے جو غیر مناسب ہے۔ وزیراعظم نے اپنے مخالفین کو نشانہ بنانے کے لئے کہہ دیا کہ احمد آباد میں سلسلہ وار بم دھماکوں کے لئے جو بم رکھے گئے تھے وہ سائیکل پر رکھے گئے تھے۔ دراصل اتر پردیش میں سائیکل سے بی جے پی کو بڑی پریشانی ہورہی ہے۔ انتخابی ریس میں سائیکل پوری رفتار کے ساتھ دوڑ رہی ہے کیونکہ سائیکل سماجوادی پارٹی کا انتخابی نشان تھی۔ پہلے وزیراعظم نے سماجوادی پارٹی کی لال ٹوپی کو نشانہ بنایا تھا اور بعد میں انہوں نے سائیکل کو نشانہ بنایا اور کہا کہ انہوں نے بم دھماکوں کے وقت ہی تہیہ کرلیا تھا کہ ملزمین کو سزائیں دلائی جائیں گی۔ ملک میں کہیں بھی کوئی واردات یا جرم ہوتا ہے تو اس کے خاطیوں کو لازماً سزائیں دلائی جانی چاہئیں اور ایسا کرنا پولیس اور نفاذ قانون کی ایجنسیوں اور حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومتوں کا کارنامہ نہیں کہا جاسکتا۔ □□

جمعیۃ علماء ہند کے محترم صدر اور دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم
امیرالہند حضرت مولانا قاری سیدمحمد عثمان صاحب منصورپوری نوراللہ مرقدہٗ
کی حیات و خدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کا
امیرالہند رابع نمبر
اپنی پوری شان کے ساتھ منظر عام پر آچکا ھے
صفحات: ۸۱۲ — سائز: ۲۳×۳۶/۸ — قیمت -/800
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱ بہادرشاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

ہفت روزہ الجمعیۃ انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے، لاگ آن کریں: www.aljamiat.in
رابطہ: 9811198820 ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

ضروری اعلان

آپ براہِ کرم مدتِ خریداری ختم ہوتے ہی زرِ سالانہ ارسال فرمائیں۔ خط و کتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
ادائیگی کے طریقے: (1) بذریعہ منی آرڈر
(2) PhonePe یا Paytm کے ذریعہ 9811198820 پر
ALJAMIAT WEEKLY
(3) آن لائن ادائیگی کیلئے بینک اکاؤنٹ کی تفصیل
A/c. 912010065151263
Axis Bank, Branch: Chitranjan Park, N.D.
IFS Code : UTIB0000430

شرح خریداری

سالانہ	200/-
ششماہی	100/-
فی پرچہ	5/-
پاکستان اور بنگلہ دیش کے لئے	2500/-
دیگر ممالک کے لئے	3000/-

رابطہ: منیجر ہفت روزہ الجمعیۃ مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱ بہادرشاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
فون: 011-23311455

Printed & Published by Mohammad Taiyab Khan on behalf of Jamiat Trust Society printed at Shervani Art Printers, 1480, Qasimjan Street, Ballimaran, Delhi-6 and Published from Madani Hall,1, Bahadur Shah Zafar Marg, New Delhi-110002. Editor MOHD. SALIM, Ph. No. 23311455, 23317729, Fax No.: 23316173.
Designing & Composing: HUMRAN AZMI